زیر سرپرستی
داعی اسلام شیخ ابوسعید شاہ احسان اللہ محمدی صفوی

ماہنامہ خضرِ راہ

شمارہ 06

جلد 01

جون ۲۰۱۳

رجب/شعبان ۱۴۳۴

مجلس منتظمہ

نگراں : غلام مصطفی ازہری
سرکولیشن منیجر : محمد اختر رضا
کمپوزر : ظفر عقیل سعیدی
تزئین کار : محمد طارق رضا

مولانا حسن سعید صفوی
نگراں اعلی شاہ صفی اکیڈمی

مدیر اعلی : شوکت علی سعیدی
مدیر مسئول : محمد جہانگیر حسن
معاون مدیر : ضیاء الرحمن علیمی
معاون مدیر : اشتیاق عالم مصباحی

نوٹ: مضمون نگار کے افکار ونظریات سے ادارے کا اتفاق ضروری نہیں۔ ادارہ

ترسیل زر کا پتہ
Shah Safi Academy, HDFC Bank, B.O.:Salahpur A/c : 22631450000118, IFSC CODE HDFC 0002263
Shah Safi Academy, BANK OF BARODA, A/c : 48810100001809 IFSC CODE BARBORASKOI, MICR CODE : 21101154

قیمت فی شمارہ	₹ 25 :
قیمت فی شمارہ (لائبریری اور سرکاری ادارے)	₹ 40 :
قیمت سالانہ (سادہ ڈاک)	₹ 250 :
قیمت سالانہ (رجسٹری ڈاک)	₹ 500 :
لائبریری اور سرکاری ادارے	₹ 500 :
بیرون ممالک	$ 40 :
اعزازی ممبر شپ	₹ 5000 :

ڈرافٹ
SHAH SAFI ACADEMY
کے نام بنوائیں

مراسلت کا پتہ
ماہنامہ خضرِ راہ
KHIZR-E-RAH (MONTHLY)
SHAH SAFI ACADEMY
JAMIA ARIFIA, Saiyed Sarawan,
Kaushambi, Allahabad (U.P.) 212213
E-mail : khizrerah@gmail.com
Mob.: 9312922953, 7752976664

نوٹ: رسالے سے متعلق کوئی بھی مقدمہ صرف الہ آباد کی عدالت میں قابل سماعت ہوگا

PRINTER, PUBLISHER AND OWNER SHAUKAT ALI
PRINTED BY KAINAT PUBLICATION & PRINTERS, 14-H, SOUTH HOUSING SCHEME, TULSIPUR, ALLAHABAD and published from JAMIA ARIFIA Saiyed Sarawan, Kaushambi, Allahabad (U.P.) 212213. Editor - Shaukat Ali

ناشر: شاہ صفی اکیڈمی/ جامعہ عارفیہ سید سراواں، کوشامبی، الہ آباد (یوپی)

خضر راہ

معراج نبوی:	شیخ ابوسعید شاہ احسان اللہ محمدی	۳
عرفانی مجلس:	شیخ ابوسعید شاہ احسان اللہ محمدی	۴
اداریہ:	شوکت علی سعیدی	۵
دعوت قرآن:	ذیشان احمد مصباحی	۷
ضیائے حدیث:	مقصود عالم سعیدی	۱۱
شہ پارۂ اسلاف.:	مخدوم شیخ سعد خیرآبادی	۱۳
اسرار التوحید:	شیخ محمد بن منور قدس سرہٗ	۱۷

علم و عرفان

مضامین	مضمون نگار	صفحہ
ہمارا جینا اور مرنا اللہ کے لیے ہو	مفتی کتاب الدین رضوی	۲۱
شب برأت: قرآن واحادیث کی روشنی میں	ضیاء الرحمن علیمی	۲۳
معروف اور منکر کا مفہوم	غلام مصطفیٰ ازہری	۲۷
رزق کے اسباب	جہاں گیر حسن مصباحی	۳۱
تحقیق کے بغیر کچھ کہنا عقل مندی نہیں	اشتیاق عالم مصباحی	۳۴
تزکیہ کے لیے شیخ کی ضرورت	امام الدین سعیدی	۳۷
عدل وانصاف	افتخار عالم سعیدی	۴۱
احسان کیا ہے؟	رکن الدین سعیدی	۴۵
حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلق عظیم	محمد مظفر حسین	۴۷
لباس تقویٰ	فیضان عزیزی	۵۰
واقعۂ معراج: تدبر کے چند پہلو	ضیاء الرحمن علیمی	۵۳
اسراو معراج: قرآن وحدیث کی روشنی میں	آفتاب رشک مصباحی	۵۷
حسن عمل کے بغیر زندگی بیکار ہے	انجم راہی	۶۰
مشکل الفاظ کے معانی اور مفاہیم	ادارہ	۶۲

معراج نبوی

تم اصل میں ایجاد دو عالم کا سبب ہو

(تضمین برغزل حضرت مخدوم شاہ عارف صفی محبوب الٰہی قدس سرہٗ)

معراج میں جبریل سمجھ پائے نہ جس کو — نبیوں میں خدانے دیا وہ مرتبہ تم کو
اب تک نہ کھلا راز کہ تم کون ہو کیا ہو — اے بارگہِ قدس حریمِ حرمِ تو
خلوت گہِ توحید مسیرِ قدمِ تو

اے صل علیٰ نورِ خدا زیب ہے تم کو — تم اصل میں ایجاد دو عالم کا سبب ہو
ہژدہ ہزار عالم ہے ترے حسن کا پرتو — ایں بود و نمود ہمہ عالم ز دمِ تو
تاجِ سرِ کونین غبارِ قدمِ تو

پاکر ترے دربارِ گہربار کی خوشبو — قدسی کھنچے آتے ہیں بصد شوق و آرزو
کیسے ادب سے روضۂ اقدس پہ با وضو — جبریل و سرافیل بہ مژگان و بہ ابرو
جاروب کشانِ حرمِ محترمِ تو

جب اس کی تجلّی سے ہوئی محو مری خاک — تو غیر کی مدحت سے ہوئی ایسی زباں پاک
گفت ہاتف غیبی سعیدؔ از عالم افلاک — عارفؔ بہ ثناگستریٔ صاحبِ لولاک
جبریل امین است زبانِ قلمِ تو

شیخ ابو سعید شاہ احسان اللہ محمدی

عرفانی مجلس

افادات: حضرت داعی اسلام شیخ ابوسعید شاہ احسان اللہ محمدی صفوی

اللہ کے ولی کی پہچان

۲۴؍دسمبر ۲۰۱۲ بروز پیر حضور داعی اسلام ادام اللہ ظلہ علینا کی خدمت میں حاضری کی سعادت نصیب ہوئی، ساتھ میں مولانا امان حسن مصباحی اور حافظ شریف استاذ دارالعلوم فیضان اشرف، باسنی ناگور بھی تھے۔ تھوڑی دیر بعد الہ آباد ہائی کورٹ کے سینئر وکیل محترم محمود صاحب اور عبدالقدیر صاحب بھی حاضر ہوئے۔

دوران گفتگو محمود صاحب نے پوچھا: حضرت! ولی کس کو کہتے ہیں؟ اور ولی کون ہے؟ آپ نے مسکراتے ہوئے فرمایا: ایک اعتبار سے ہر مومن اللہ کا ولی ہے۔ چونکہ ولایت کی دو قسمیں ہیں: ۱۔ ولایت عامہ ۲۔ ولایت خاصہ

ولایت عامہ ہر اس شخص کو حاصل ہے جو اللہ کے وجود، اس کی توحید اور اس کے رسول کی رسالت اور اس کے احکام کا دل سے اقرار اور تصدیق کرنے والا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴿۲۵۷﴾ (بقرہ) یعنی اللہ تعالیٰ مومنین کا دوست ہے۔ اور ولایت خاصہ تک رسائی کے لیے ایمان کے اقرار و تصدیق کے بعد مندرجہ ذیل صفات کا حامل ہونا ضروری ہے: ۱۔ صفات رذیلہ سے بچنا اور صفات حمیدہ سے متصف ہونا۔ ۲۔ اوامر و نواہی کا علم رکھنا اور اس پر عمل پیرا ہونا۔ ۳۔ اہل سنت و جماعت کے مطابق عقیدہ ہونا، خواہ اشعری ہو یا ماتریدی اور اللہ ہی کے لیے جینا اور اللہ ہی کے لیے مرنا اور دل میں اللہ ہی کا خوف رکھنا۔ اور جو اللہ سے خوف رکھے گا وہ کسی اور سے کیوں کر ڈرے گا:

اَلَاۤ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۶۳﴾ (یونس)

جان لو کہ اللہ کے دوستوں کو نہ کوئی خوف ہے اور نہ ہی کسی چیز کا غم۔ جو مومن ہونے کے ساتھ اللہ سے ڈرتے ہیں۔

اللہ کے ولی کی پہچان: جس کی صحبت میں دل کو سکون اور روح کو تازگی حاصل ہو، دنیا سے بے رغبتی پیدا ہو اور جس کی معیت میں اللہ یاد آئے۔

فیضان ولایت سے محروم کون ہوتا ہے؟ بد خلق، متکبر اور تعصب سے بھرے ہوئے قلوب فیضان ولایت سے محروم ہوتے ہیں۔

(ترتیب: مجیب الرحمن علیمی)

●●●

شوکت علی سعیدی

دعوت و تبلیغ مؤثر کیسے ہو؟

ہر وہ انسان جس میں حیات ہے اس کے ساتھ عمل و حرکت بھی ضروری ہے۔ اس مختصر زندگی میں ہر انسان کا عمل و حرکت مختلف ہے اور وہی کامیاب کہلانے کا حقدار ہے جس کے عمل و حرکت سے اچھے نتائج برآمد ہوں۔ ہندوستانی منظر نامے میں دعوت و تبلیغ کے حوالے سے سرسری نظر ڈالتے ہیں تو کوئی رسائل و جرائد کے ذریعے، کوئی مختلف عناوین پر کتابچوں کے ذریعے، کوئی اسٹیجوں پر شعلہ بیانی کے ذریعے، کوئی مدارس میں تعلیم و تربیت سے تو کوئی مسجد میں امامت و خطابت کے فرائض انجام دے کر میدان دعوت و تبلیغ میں برسر پیکار ہے۔

آئے دن ہماری مسجدوں کی تعداد بڑھتی جارہی ہے۔ ہر گلی کوچے میں مدارس کی عالی شان عمارتیں نظر آرہی ہیں۔ جلسے جلوس پہلے سے کہیں زیادہ ہوتے نظر آرہے ہیں۔ ہزاروں ہزار کی تعداد میں علما و حفاظ مدارس سے فارغ ہو رہے ہیں۔ اسی کے ساتھ یہ ہنگامہ بھی برپا ہے کہ قوم مسلم پہلے سے زیادہ فسق و فجور میں مبتلا ہوگئی ہے۔ آپسی نا اتفاقی، جھگڑا فساد، ایک دوسرے سے دشمنی، دین سے بے رغبتی اور علما سے بے اعتمادی کی شرح پہلے سے کہیں زیادہ ہوگئی ہے۔ جس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا مشکل نہیں کہ مسلم قوم سے ان برائیوں کو ختم کرنے کے لیے جو بھی عمل و حرکت ہو رہی ہے ان کے خاطر خواہ اثرات ظاہر نہیں ہو پا رہے ہیں۔

کہیں نہ کہیں داعیان اسلام سے چوک ہو رہی ہے اور میری ناقص سمجھ میں اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ بیماری کی صحیح شناخت کے بغیر دوا پہ دوا اور انجکشن پہ انجکش دینے کا عمل جاری ہے، جس سے بیماری ٹھیک نہیں ہو رہی ہے یا ایک بیماری کے عوض دس بیماریاں پیدا ہو رہی ہیں۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ داعیان اسلام دعوت و تبلیغ کی اپنی اپنی روش پر نظر ڈالیں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ فرائض و واجبات کی ادائیگی سے عاری افراد کو قرآن و حدیث کے سائنسی اور روحانی رموز سمجھائے جارہے ہیں۔ جنہیں بنیادی عقائد کا علم نہیں انہیں فروعات عقائد سکھلائے جارہے ہیں۔ یہ تو ایسا ہی ہوگا کہ زنگ آلود لوہے کے ستون کو صاف

کیے بغیر اس پر زرق برق سفید کپڑے لپیٹ کر یہ ثابت کیا جائے کہ اس کا ظاہر جیسا ہے، باطن بھی ویسا ہی ہے اور چند دنوں کے بعد زنگ آلود لوہے کی زنگ جب کپڑے پر ظاہر ہو جائے اور اس کی ساری سفیدی زنگ زدہ نظر آئے تو راز کھل جائے گا کہ یہ ظاہر میں چمک دمک رکھنے والا تھا لیکن اس کا باطن تو زنگ آلود تھا۔

بلا تردد یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہمارا تمام اسلامی عمل وحرکت ظاہری ہے، زبانی اور بدنی ہے اور اس کا اثر قلب وروح تک نہیں پہنچ پا رہا ہے یہی وجہ ہے کہ جب امتحان کی گھڑی آتی ہے تو ہم پر ظاہر ہو جاتا ہے کہ ہمارا ایمان کس قدر کمزور اور زنگ آلود ہے۔ ایسے حالات میں مذہبی کتابوں کی رنگارنگی، اسلامی وعظ وبیان کے نت نئے انداز، اہل علم کے زرق برق لباس کی نمائش اور مذہبی عمارتوں کی بلندی ووسعت سے اپنے دل کو بہلایا نہیں جا سکتا کہ دعوت وتبلیغ کا کام زور وشور سے چل رہا ہے اور ہم نے اپنے حصے کا کام کر دیا ہے، یہ عمل وحرکت خود کو دھوکہ میں ڈالنے کے سوا کچھ نہیں، اس لیے کہ قرآن کا واضح اعلان ہے کہ:

إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ، إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ۔ (عصر:۲ تا ۳)

ترجمہ: بے شک انسان گھاٹے میں ہے، سوائے اس کے جو ایمان رکھتے ہیں اور عمل صالح کرتے ہیں۔

ایمان کے بغیر ہمارا ہر عمل بے سود ہے، خواہ وہ مسجد کی امامت ہو، اسٹیج کی تقریر ہو یا علمی وعملی تحریر ہو۔ ایمان کی قوت زیادہ اور عمل تھوڑا ہو یہ اس سے کہیں بہتر ہے کہ عمل کے انبار ہوں اور ایمان کمزور ہو۔ ایمان کا تعلق قلب وروح سے ہے، ہر انسان خواہ عالم ہو یا غیر عالم اسے چاہیے کہ اپنے قلب وروح کا جائزہ لے، اسے ٹٹول ٹٹول کر دیکھے کہ اس میں حرکت ہے یا نہیں اور اس کی قوت میں اضافہ کرتا رہے، اگر کوئی انسان ایسا کرتا ہے تو یہ یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ دعوت وتبلیغ کی راہ میں اس کا ہر عمل وحرکت کارگر اور دیرپا ثابت ہوگا۔ ایمان کے ساتھ ہمارے عمل وحرکت کے نتائج جلد مرتب نہ ہونے پر مایوس ہونے کی ضرورت نہیں، اس لیے کہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے جس پر ہمیں کامل یقین رکھنا چاہیے:

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ۔ (آل عمران:۱۳۹)

ترجمہ: مت گھبراؤ اور غم نہ کرو، بے شک تمھیں غالب رہو گے اگر مومن ہو۔

٭٭٭

نفاق: یعنی گھاٹے کا سودا

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸﴾ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّا
اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۹﴾ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴿۱۰﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا
تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ قَالُوْا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ﴿۱۱﴾ اَلَا اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَا
اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْا اَنُؤْمِنُ كَمَا اٰمَنَ السُّفَهَآءُ اَلَا اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْا اٰمَنَّا وَ
اِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ قَالُوْا اِنَّا مَعَكُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۴﴾ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۵﴾ اُولٰٓئِكَ
الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿۱۶﴾ (بقرہ: ۸-۱۶)

ترجمہ: بعض افراد ایسے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور آخری دن پر ایمان رکھتے ہیں جب کہ وہ مومن نہیں ہیں۔ وہ اللہ کو اور ایمان والوں کو دھوکہ دینے کی کوشش کر رہے ہیں جب کہ حقیقت میں وہ خود اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں مگر انھیں اس کا احساس نہیں۔ ان کے دلوں میں بیماری تھی تو اللہ نے انھیں اور بیمار کر دیا۔ ان کے جھوٹ کے بدلے ان کے لیے نہایت دردناک عذاب ہے۔ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فتنے نہ برپا کرو تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو اصلاح کر رہے ہیں۔ خبر دار! یہی لوگ دراصل فتنہ پرور ہیں لیکن انھیں اس کا احساس نہیں۔ جب ان سے یہ کہا جاتا ہے کہ تم اس طرح ایمان لاؤ جس طرح دوسرے لوگ ایمان لائے ہیں تو وہ کہتے کہ کیا ہم بھی اسی طرح ایمان لے آئیں جس طرح عام بے وقوف ایمان لائے ہیں۔ خبر دار! بے وقوف درحقیقت یہی لوگ ہیں مگر انھیں اس کا ادراک نہیں۔ جب وہ اہل ایمان سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لا چکے ہیں اور جب وہ اپنے شیطان دوستوں سے تنہائی میں ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم تمہارے ساتھ ہیں، ہم تو مسلمانوں کو صرف بے وقوف بنا رہے ہیں، جب کہ اللہ نے خود انھیں حماقت میں ڈال رکھا ہے اور انھیں اپنی سرکشی میں حد سے بڑھنے کے لیے ڈھیل دے رکھی ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی کا سودا کر رکھا ہے، ان کا سودا ان کے لیے بالکل نفع بخش ہونے والا نہیں اور نہ وہ ہدایت پانے والے ہیں۔

قرآن کے کتاب لاریب ہونے کے ذکر کے بعد اللہ رب العزت نے پہلے اس پر ایمان رکھنے والے مومنین کا ذکر کیا، پھر اس کا انکار کرنے والے کفار کا ذکر کیا اور اس کے بعد ان لوگوں کا ذکر کیا جو بظاہر قرآن پر ایمان رکھتے ہیں اور باطن میں اس کا انکار کرتے ہیں۔ چوں کہ اس قسم کے لوگ زیادہ خطرناک ہیں۔ یہ وہی لوگ ہیں جنھیں آج نیشنلزم کی جدید اصطلاح میں غدار وطن کہا جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح منافقین؛ دین اور دین داروں کے غدار اور دشمن ہوا کرتے ہیں۔ ان کی خطرناکی اور شر انگیزی کے پیش نظر قرآن نے ان کے اوصاف و خصوصیات کو ذرا تفصیل سے بیان کیا۔ اس مقام پر ان کی جو صفات بیان کی گئی ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

۱۔ وہ بظاہر ایمان کا دم بھرتے ہیں جب کہ ایمان ان کے دل میں نہیں ہوتا۔

۲۔ وہ مسلمانوں کا لبادہ اوڑھ کر انھیں فریب دینے کی

فکر میں ہوتے ہیں اور انہیں یہ احساس نہیں ہوتا کہ مرنے کے بعد ان پر کھلے گا کہ وہ درحقیقت خود کو دھوکہ دے رہے تھے۔

۳۔ وہ ذہنی و قلبی مریض ہوتے ہیں، اس لیے انھیں کسی کروٹ قرار نہیں ملتا۔

۴۔ وہ داخلی سطح پر فتنہ پروری کا کام کرتے ہیں اور ظاہری طور پر اپنے آپ کو مصلح کی شکل میں پیش کرتے ہیں۔

۵۔ عام مسلمانوں کو جو آنکھ بند کرکے اسلام اور پیغمبر اسلام پر ایمان رکھتے ہیں انھیں وہ منافقین سادہ لوح اور بےوقوف کہتے ہیں اور خود کو دانشور باور کرتے ہیں۔ انھیں خبر نہیں کہ ایک دن ان پر واضح ہوجائے گا کہ اصل دانشور وہی ہیں جو بے چون وچرا اللہ ورسول کی باتوں پر آنکھ بند کرکے ایمان رکھتے ہیں۔

۶۔ وہ مسلمانوں کے سامنے مسلمانوں والی بات اور غیرمسلموں کے سامنے ان کی بات کرتے ہیں، شرپسندوں کے پاس جاکر کہتے ہیں کہ مسلمان بےوقوف ہیں ہم تو انھیں یوں ہی بےوقوف بنایا کرتے ہیں۔

قرآن کریم نے ان منافقین کے بارے میں یہ فیصلہ کردیا ہے کہ: (۱) وہ مومن نہیں ہیں۔ (۲) وہ خود کو دھوکہ دے رہے ہیں۔ (۳) اُن کے لیے دردناک عذاب ہے۔ (۴) وہ فتنہ پرور ہیں۔ (۵) وہ بہت بڑے بےوقوف ہیں۔ (۶) وہ گمراہی کے سوداگر ہیں۔

قرآن کریم نے آخر میں کہا:

ان کا یہ سودا بالکل نفع بخش نہیں اور وہ محروم ہدایت ہیں۔

جس طرح غدار وطن ملک سے غداری کی پاداش میں واجب القتل ہیں اسی طرح منافقین دین اور دین داروں سے غداری کے بدلے اس لائق ہیں کہ انھیں قتل کردیا جائے تاکہ ان کی فتنہ سامانی سے مسلمان بھی سلامت رہیں اور ان کا ملک ووطن بھی سلامت رہے۔

ابن کثیر نے لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ کے ذیل میں لکھا ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم بعض منافق سرغنوں سے واقف تھے مگر اس کے باوجود آپ نے انھیں قتل نہیں کیا۔ اس کی ایک وجہ صحیحین کی وہ روایت ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مجھے یہ بات پسند نہیں کہ اہل عرب یہ کہنے لگیں کہ محمد اپنے ساتھیوں کو ہی قتل کرتے ہیں۔'' أَكْرَهُ أَنْ يَتَحَدَّثَ الْعَرَبُ أَنَّ مُحَمَّدًا يَقْتُلُ أَصْحَابَهُ۔

ابن کثیر لکھتے ہیں: ''اس کے معنی یہ ہیں کہ ڈر ہے کہ کہیں اس کی وجہ سے بہت سے گاؤں کے باشندوں کے لیے دخول اسلام کی راہ میں رکاوٹ نہ پیدا ہوجائے کیوں کہ وہ منافقین کے قتل کی اصل وجہ سے واقف نہیں ہیں''

ابن کثیر منافقین کے قتل نہ کیے جانے کی ایک دوسری وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''امام مالک فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقین سے اس لیے درگذر فرمادیا تاکہ وہ اپنی امت کے لیے ایک اصول بیان کردیں کہ حاکم کو اپنے علم کی بنیاد پر فیصلے کا حق نہیں ہے۔''

ابن کثیر امام شافعی کے حوالے سے اس کی تیسری حکمت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''منافقین جس کا اظہار کررہے تھے وہ اظہار ماقبل کے گناہوں کو چھپا دیتا تھا۔ اس کی تائید صحیحین اور دوسری کتب حدیث کی ایک متفق علیہ روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں آپ نے فرمایا کہ مجھے حکم ہوا ہے کہ میں اس وقت تک لوگوں سے قتال کرتا رہوں یہاں تک کہ وہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا اقرار کرلیں۔ اس اقرار کے بعد وہ میری طرف سے اپنی جان ومال کے لیے امان حاصل کرلیں گے مگر یہ کہ ان کے قتل کی کوئی دوسری وجہ وہاں موجود ہو اور ان کا معاملہ اللہ کے سپرد ہوگا۔

أُمِرْتُ اَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَقُوْلُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ، فَاِذَا قَالُوْهَا عَصَمُوْا مِنِّي دِمَاءَ هُمْ وَاَمْوَالَهُمْ اِلَّا بِحَقِّهَا وَ حِسَابُهُمْ

عَلَى اللهِ عَزَّوَجَلَّ۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ جو شخص بھی لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کا اقرار کرلے گا، اس پر بظاہر احکام اسلامی لاگو ہوجائیں گے۔ اب اگر اس اظہار کے ساتھ وہ اس کا اعتقاد بھی رکھتا ہے تو وہ آخرت میں اس کا ثواب پائے گا اور اگر اسے اس کا اعتقاد نہیں ہے تو دنیا میں اس پہ اسلامی احکام کا نافذ کیا جانا آخرت میں اس کے لیے نافع نہیں ہوگا۔"

عصر حاضر میں وہ جماعت جو جَمَاعَۃُ الْھِجْرَۃِ وَالتَّکْفِیْرِ کے نام سے عرب میں اور دوسرے ناموں سے عجم میں ظاہر ہوئی ہے جو اپنے سوا تمام کلمہ گو اہل قبلہ کی تکفیر کرتی ہے، اس جماعت کو نبی کی سیرت سے سبق لینے کی ضرورت ہے۔ نبی وحی الٰہی کے توسط سے منافقین کے کفر و زندقہ کے بارے میں یقینی طور پر سب کچھ جانتے تھے مگر اس کے باوجود ان کے ظاہری اقرار کو کافی سمجھتے تھے، جب کہ آج متشدد جماعتیں اپنے وہم وگمان کو وحی کا درجہ دیتی ہیں، اور پھر اپنے مخالفین کو بیک جنبش قلم کافر و مرتد اور واجب القتل قرار دے دیتی ہیں۔ اس سے مسلمانوں کے یہاں خود داخلی سطح پر جس طرح سے عدم رواداری، تشدد، فتنہ و فساد اور قتل و غارت گری کا ماحول برپا ہوا ہے وہ محتاج بیان نہیں، اس کی وجہ سے کہیں نہ کہیں اسلام کی دعوت متاثر ہوئی ہے، کیوں کہ غیر مسلموں میں یہ بات عام ہوچکی ہے کہ مسلم جماعتیں خود ایک دوسرے کی تکفیر کرتی ہیں اور ایک دوسرے کے قتل کے درپے رہتی ہیں۔ قربان جایئے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمت بالغہ پر کہ وہ منافقین کے کفر و نفاق کو قطعی طور پر جاننے کے باوجود ان سے اس لیے صرف نظر فرمالیا کرتے تھے کہ کہیں عرب میں یہ غلط فہمی نہ پیدا ہوجائے کہ محمد اپنے ہی ساتھیوں کو قتل کرتے ہیں۔

امام مالک نے سیرت کے اس پہلو سے جو تفقہ کیا ہے وہ بھی کس قدر اعلیٰ اور قابل تحسین ہے۔ اس سے اندازہ ہوا کہ اگر کسی کے کفر و نفاق کا قطعی علم ہو (جو بہت ہی مشکل ہے) تب بھی اگر متعلقہ شخص ایمان کا بظاہر دعویٰ کر رہا ہے تو اس کے ظاہری دعویٰ کا اعتبار کرنا چاہیے۔ امام شافعی کی بصیرت بھی ہمیں دعوت فکر دیتی ہے کہ جب پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام جن پر براہ راست اور بالواسطہ وحی الٰہی کا نزول ہو رہا ہے وہ اہل قبلہ کے اندر نفاق کے پائے جانے کے باوجود ان کے ظاہری اقرار کو قبول کر رہے ہیں اور آخرت کے معاملے کو اللہ کے سپرد کر رہے ہیں تو ہمیں اس کا کیا حق ہے کہ خوردبین سے لوگوں کے دلوں کا مطالعہ کریں اور ان کے باطن پر حکم صادر فرمائیں۔

امام احمد رضا خان فاضل بریلوی رقم طراز ہیں:

"بالجملہ تکفیر اہل قبلہ واصحاب کلمہ طیبہ میں جرأت و جسارت محض جہالت بلکہ سخت آفت، جس میں وبال عظیم و نکال کا صریح اندیشہ والعیاذ باللہ رب العالمین۔ فرض قطعی ہے کہ اہل کلمہ کے ہر قول و فعل کو اگرچہ بظاہر کیسا ہی شنیع و فظیع ہو حتی الامکان کفر سے بچائیں، اگر کوئی ضعیف سے ضعیف، نحیف سے نحیف تاویل پیدا ہو جس کی رو سے حکم اسلام نکل سکتا ہو تو اس کی طرف جائیں اور اس کے سوا اگر ہزار احتمال جانب کفر جاتے ہوں، خیال میں نہ لائیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اَلْاِسْلَامُ یَعْلُوْ وَلَایُعْلیٰ۔ اسلام غالب رہتا ہے مغلوب نہیں ہوتا۔ احتمال اسلام چھوڑ کر احتمالات کفر کی طرف جانے والے اسلام کو مغلوب اور کفر کو غالب کرتے ہیں۔" (فتاوی رضویہ: ۱۲/ ۳۱۷)

مذکورہ آیات میں منافقین کے اوصاف میں ایک وصف یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ان کے دلوں میں مرض ہے فِیْ قُلُوْبِھِمْ مَّرَضٌ، ظاہر ہے یہاں مرض سے مراد دل کے وہ امراض نہیں جو آج کل متعارف ہیں بلفظ دیگر یہ ایسی بیماری نہیں جو جسم کے ایک مخصوص عضو "دل" کو لاحق ہو، یہاں مرض سے مراد دل کے اندر اسلام کے حوالے سے شک و ریب کا پایا جانا ہے، منافقین کا حال یہ تھا کہ وہ زبان سے ایمان کا اقرار کرتے تھے جب کہ ان کا دل اسلام کی صداقت پر مطمئن نہیں ہوتا۔

حافظ ابن کثیر نے اس مقام پر امام مالک کا ایک فتویٰ نقل کیا ہے، امام موصوف فرماتے ہیں:

''حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جو منافق تھے وہ آج زندیق ہیں۔''

وجہ یہ ہے کہ پیغمبر علیہ السلام کے زمانے میں بعض افراد ایسے تھے کہ بظاہر اسلام کا لبادہ اوڑھ کر بہروپ بنے ہوئے تھے اور دل میں شک ہوتے ہوئے بھی نفاق کا مظاہرہ کرتے ہوئے زبان سے اسلام کا دم بھرتے تھے، بعد میں یہ صورت حال نہیں رہی، جسے اسلام میں شک ہوتا وہ اس کا اظہار کر دیتا، شک کے ایسے مریضوں کو زندیق کہا گیا۔

زندیقوں کے بارے میں حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

''زندیق کے قتل کے بارے میں بھی علما کا اختلاف ہے کہ جب وہ کفر ظاہر کرے تو اس کے قتل سے پہلے اس پر توبہ پیش کی جائے گی یا نہیں، اور وہ زندیق جو لوگوں کو بھی اس کی تعلیم دیتا ہو اور وہ زندیق جو اپنی فکر کا مبلغ نہ ہو، ان دونوں میں فرق کیا جائے گا یا نہیں پھر یہ کہ ارتداد کئی مرتبہ ہوا ہو تب حکم قتل ہے یا صرف ایک مرتبہ پر بھی قتل کا حکم ہے؟ پھر اس میں بھی اختلاف ہے کہ اسلام لانے اور مرتد ہونے کا واقعہ اس پر غلبہ پانے کے بعد ہو تب قتل کا حکم ہے یا اس پر پانے کے لیے سے پہلے ہو جب بھی حکم قتل ہے۔'' (ابن کثیر زیر آیت مذکورہ)

ان اقوال میں تطبیق کی راہ یہ ہے کہ یہ تعزیری احکام ہیں، قاضی حالات کے اعتبار سے خود فیصلہ کر لے کہ کن حالات میں اسے کون سا حکم صادر کرنا ہے۔

آیات نفاق کو ایک محقق عارف ایک دوسرے نقطۂ نظر سے پڑھتا ہے، وہ جب ان آیات کی تلاوت کر رہا ہوتا ہے تو اس کے سامنے عہد رسالت کے وہ بہروپ نہیں ہوتے جن کا قلب کافر تھا اور زبان ذاکر تھی، اس وقت وہ اپنے سامنے خود ہوتا ہے، وہ اپنا احتساب کرتا ہے، وہ نہایت ناقدانہ نظر سے یہ جائزہ لیتا ہے کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ خود بھی انھیں منافقین کے گروپ میں ہے، کہیں ایسا تو نہیں کہ اس کا دعویٰ اسلام بھی محض زبانی ہے، اس نے مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لیے زاہد و صوفی کا چولہ پہن رکھا ہے اور خود اپنے آپ کو دھوکہ دے رہا ہے۔ اس کے دل میں نفاق و ریا کا مرض سرایت کر گیا ہے، وہ اصلاح کے روپ میں فساد برپا کیے ہوئے ہے، وہ اس طریقے پر اب تک ایمان نہیں لا سکا ہے جیسا ایمان لانے کا حق ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ سارے لوگ اس کے زہد و تقویٰ کی گواہی دے رہے ہوں اور خود اس کا ضمیر اس کے کفر کی شہادت دے رہا ہو۔ ایسا بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ دوسروں کو ہدایت تقسیم کرتے ہوئے بھی خود راہ ہدایت سے دور ہو۔

آیات نفاق کو ایک عارف و صوفی اس انداز سے دیکھتا ہے، جب اس کے اندر نفاق کے درجوں میں سے کوئی درجہ اور ریا کی صورتوں میں سے کوئی صورت نظر آتی ہے تو سچے دل سے اللہ کی جناب میں توبہ کرتا ہے اور اگر اس کا دل اسے ہر ریب سے پاک نظر آتا ہے تو وہ اللہ کا شکر ادا کرتا ہے۔

مطالعۂ قرآن کا صوفیانہ انداز ہی درحقیقت طالب ہدایت کا انداز مطالعہ ہے۔ ورنہ بالعموم لوگ قرآن کا مطالعہ دوسروں کی گمراہیاں تلاش کرنے کے لیے ہی کیا کرتے ہیں۔

قرآن کریم کا مطالعہ کرتے ہوئے ہمیں مسلسل اپنا جائزہ لیتے رہنے کی ضرورت ہے کہ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ منافقین کے اوصاف میں سے کوئی وصف ہم میں موجود ہو۔ کیا ہم اللہ پر مکمل ایمان لا چکے ہیں، بے چون و چرا پیغمبر کی اطاعت کر رہے ہیں، ہماری زندگی برائے آخرت ہے یا برائے دینا، صرف ہمارا چولا مسلمانوں کا ہے یا ہمارے دل و نگاہ اور اعضاو جوارح بھی مسلمان ہو چکے ہیں؟ قرآن پڑھتے وقت قاری کے ذہن میں یہ سارے سوالات ضرور موجود ہونے چاہیے۔

☆☆☆

وسیلہ: احادیث کی روشنی میں

امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ:

ایک شخص امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس کئی بار اپنی حاجت لے کر گیا، لیکن آپ نے اس کی طرف توجہ نہ فرمائی تو اس شخص نے حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی اور اپنا سارا ماجرا بیان کیا۔

حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے اس شخص سے کہا کہ: پہلے تم وضو کرو اور مسجد جا کر دو رکعت نماز ادا کرو، اس کے بعد یہ دعا پڑھ کر اپنی حاجت بیان کرو:

اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ وَأَتَوَجَّهُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ. يَا مُحَمَّدُ إِنِّي أَتَوَجَّهُ بِكَ إِلَى رَبِّي فَتُقْضٰى لِي حَاجَتِي۔

ترجمہ: یااللہ! نبی رحمت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ یا محمد! میں آپ کے وسیلے سے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں، تا کہ میری حاجت پوری ہو جائے۔

اس شخص نے اس ہدایت پر عمل کیا اور جب حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو دربان اس شخص کو حضرت عثمان غنی کے پاس لے گیا، آپ نے اس کو اپنے ساتھ فرش پر بٹھایا، اس کی حاجت دریافت کی اور اُس کی حاجت بھی پوری کر دی، نیز فرمایا: آئندہ جب کوئی حاجت پیش آئے تو ہمارے پاس آجانا، وہ شخص آپ کے پاس سے رخصت ہو کر حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہنے لگا: اللہ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے، اگر آپ میری شفارس نہ کرتے تو نہ میری طرف توجہ کی جاتی اور نہ ہی میری حاجت پوری کی جاتی۔

یہ سن کر حضرت عثمان بن حنیف نے کہا: واللہ! میں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے کوئی شفارس نہیں کی ....۔

(معجم صغیر، عثمان بن حنیف)

اس حدیث کو طبرانی اور حاکم نے صحیح قرار دیا ہے، حافظ ذہبی نے حاکم کی تائید کی ہے اور حافظ منذری نے ''الترغیب والترہیب'' میں اس کا ذکر کیا ہے۔

اس حدیث سے صراحۃً وفات کے بعد توسل کا ثبوت ہوتا ہے، اگر وفات کے بعد توسل کی اجازت نہ ہوتی تو حضرت عثمان بن حنیف اس کی اجازت نہ دیتے، کیونکہ راوی حدیث اپنی مروی حدیث کے مطلب کو دوسروں سے بہتر جانتا ہے۔

اس حدیث سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ ایک صحابی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وصال کے بعد یا محمد! کہہ کر پکارا، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ دوسروں کو مصیبت میں ایسا کرنے کی تعلیم بھی دی۔

اس طرح ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے وصال کے بعد بھی آپ کو وسیلہ بنانا درست ہے۔

اسی طرح حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی وہ حدیث جس کا مفہوم یہ ہے کہ قحط سالی کی مصیبت سے بچنے کے لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے روضۂ رسول میں آسمان کی طرف ایک روشن دان کھلوایا تھا اور انھوں نے یہ عمل صحابۂ کرام کی موجودگی میں کیا لیکن کسی صحابی نے منع نہیں کیا، پس یہ وفات کے بعد توسل اور اس کے جواز کے لیے حجت ہے۔

حضرت عبدالرحمن بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

كُنْتُ عِنْدَ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ فَخَدَرَتْ رِجْلُهٗ فَقُلْتُ لَهٗ يَا أَبَا عَبْدَ الرَّحْمٰنِ مَا لِرِجْلِكَ قَالَ اِجْتَمَعَ عَصَبُهَا مِنْ هَاهُنَا قُلْتُ أُدْعُ أَحَبَّ النَّاسِ إِلَيْكَ قَالَ يَا مُحَمَّدُ! فَانْبَسَطَتْ۔ (مسند ابن جعد، من حدیث ابی خثیمہ)

ترجمہ: میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس تھا کہ ان کا پیر سن ہو گیا تو میں نے ان سے کہا: اے ابوعبدالرحمن! آپ کے پیر کو کیا ہوا؟ انھوں نے کہا: یہ سن ہو گیا ہے، میں نے کہا: آپ اس کو پکاریں جو لوگوں میں آپ کو سب سے زیادہ محبوب ہے تو انھوں نے پکارا: یا محمد!

چنانچہ ان کا پیر ٹھیک ہو گیا۔

اسی مفہوم کی ایک اور حدیث عبدالرحمن ہی سے مروی ہے جسے امام بخاری نے بھی ''الادب المفرد'' میں نقل کیا ہے۔

قاضی عیاض علیہ الرحمہ اسی طرح کی ایک روایت بیان کرتے ہیں کہ:

إِنَّ عَبْدَ اللهِ بْنِ عُمَرَ خَدَرَتْ رِجْلُهٗ فَقِيْلَ لَهٗ اذْكُرْ أَحَبَّ النَّاسِ إِلَيْكَ يَزُلْ عِنْكَ فَصَاحَ يَا مُحَمَّدَاهُ! فَانْتَشَرَتْ۔ (شفا، فصل فیما روی عن السلف والأئمۃ)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا پیر سن ہو گیا تو ان سے کہا گیا کہ آپ انھیں پکاریں جو لوگوں میں سب سے زیادہ آپ کو محبوب ہے تو وہ زور زور سے پکارنے لگے:

یا محمد! میری مدد فرما، چنانچہ ان کا پیر ٹھیک ہو گیا۔

عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا بلند آواز سے استغاثہ اور فریاد کے ضمن میں یا محمداہ کہنا، توسل ہی ہے اور یہ واقعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کا ہے جس سے معلوم ہوا کہ وفات کے بعد بھی توسل جائز ہے، نیز یہ توسل ایک عظیم صحابی نے کیا، اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد توسل جائز نہ ہوتا تو وہ ہرگز آپ سے توسل نہ کرتے۔

یہ سب روایتیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں پیش آئی ہیں مگر کسی روایت کا انکار کسی صحابی سے ثابت نہیں ہے، چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ان روایتوں پر اجتماعی سکوت اختیار کرنا، قبل وفات اور بعد وفات وسیلے کے ثبوت کے لیے قوی دلیل ہے اور ظاہر ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے زیادہ قرآن وسنت کو سمجھنے والا اور اس پر عمل کرنے والا کوئی نہیں ہے اور نہ ہوگا۔

✲✲✲

چاروں مذاہب برحق ہیں

جامع شریعت وطریقت مخدوم شیخ سعد خیر آبادی قدس سرہٗ (متوفی:۹۲۲ھ) نویں صدی ہجری کے عظیم عالم صوفی اور بلند پایہ درویش گزرے ہیں۔ انھوں نے ساتویں صدی ہجری کے مشہور ومعروف متن تصوف الرسالۃ المکیۃ کی عالمانہ اور عارفانہ شرح لکھی اور اس کا نام مجمع السلوك والفوائد رکھا جو کل بھی شریعت وطریقت کا عطر مجموعہ اور سالکین وطالبین کے لیے دستور العمل تھا اور آج بھی تصوف کا ایک انمول خزانہ ہے۔ اس کا سلیس اور بامحاورہ ترجمہ مولانا ضیاء الرحمن علیمی نے کیا ہے جو نظر ثانی کے مرحلے میں ہے، اس سے ایک اقتباس پیش خدمت ہے جو چاروں مذاہب سے تعلق رکھتا ہے۔ **(ادارہ)**

نسخ کی لغوی وشرعی تعریف

نسخ لغت میں نقل کا نام ہے، بولا جاتا ہے نَسَخْتُ الْكِتَابَ یعنی میں نے ایک جگہ سے دوسری جگہ کتاب منتقل کر دی اور شریعت میں تراخی (بعد میں کسی مستقل حکم شرعی) کے ذریعے اس حکم شرعی کی مدت ختم ہوجانے کا نام ہے جو مطلق ہو اور جس کا حکم ہمارے ذہنوں میں ہمیشہ کے لیے ہو۔

شرعی نسخ کی اس تعریف میں شرع کی قید لگانے سے تمام عقلی احکام خارج ہوجاتے ہیں اور مطلق کی قید سے متعین مدت والے احکام خارج ہوجاتے ہیں اور تراخی (بعد میں کسی مستقل حکم شرعی) کی قید سے وہ احکام نکل جاتے ہیں، جو کسی نص میں موجود استثنا میں داخل ہیں اور وہ احکام جن کی تخصیص کلام متصل کے ذریعے کر دی گئی ہو وہ بھی تراخی کی قید سے نکل جاتے ہیں۔

پھر مرید کو اس پر بھی یقین رکھنا چاہیے کہ اسلام کے فروعی مسائل میں علمائے امت کے اختلاف سے کوئی حرج نہیں اور اس سے دین کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا، بلکہ فروعی مسائل میں علمائے امت کا اختلاف رحمت ہے، نیز یہ بھی اعتقاد رکھنا چاہیے کہ علما کا یہ اختلاف جسے رحمت کہا گیا ہے، یہ اجتہاد کی بنا پر ہے، دیکھتے نہیں کہ امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک اور امام احمد رضی اللہ عنہم اجمعین فروعی احکام میں باہم اختلاف رکھتے ہیں، پھر بھی ان نفوس قدسیہ کے حق میں علمانے فرمایا ہے کہ:

یہ چاروں مذاہب برحق ہیں۔

''معرفۃ الاحکام'' میں لکھا ہے کہ: چاورں مذاہب برحق ہیں اور جو اُن کا منکر ہوگا (معاذ اللہ) وہ کافر ہوجائے گا۔

''مصابیح الایمان'' میں لکھا ہے کہ: چاروں مذاہب برحق ہیں، کیوں کہ ان ائمہ میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے مذہب کی بنیاد قرآن وحدیث پر رکھی ہے، البتہ امام اعظم (ابوحنیفہ) کا مذہب احق (زیادہ بہتر) ہے، چنانچہ اب جو کوئی علیحدہ سے کوئی مذہب بنائے گا وہ بدعقلی اور گمراہی ہوگی۔

''راحت القلوب'' میں مذکور ہے کہ: مذاہب (فقہ) چار ہیں:

- پہلا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا
- دوسرا امام شافعی رضی اللہ عنہ کا
- تیسرا امام مالک رضی اللہ عنہ کا
- چوتھا امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کا

لوگوں کو چاہیے کہ ان چاروں مذاہب میں سے کسی میں کوئی شک نہ کریں تاکہ مسلمان پکا سنی رہ سکے، البتہ قطعیت اور یقین کے ساتھ یہ جانے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب تمام مذاہب سے برتر ہے اور دوسرے مذاہب کا درجہ ان کے بعد ہے، کیوں کہ دنیا میں سب سے پہلے فقہی مذہب کی بنیاد رکھنے والے امام اعظم تھے اور متقدمین کو فضیلت حاصل ہوتی ہے، نیز یہ بھی اعتقاد رکھے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ایک ہی مذہب حق ہے، ایک سے زیادہ نہیں۔

فروعی مسائل میں لوگوں کو یہ بھی اعتقاد رکھنا چاہیے کہ ہمارا حنفی مذہب برحق ہے، خطا کے احتمال کے ساتھ اور دوسروں کا مذہب خطا پر ہے حق کے امکان کے ساتھ۔

چاروں مذاہب کے برحق ہونے کا مطلب

علما نے جو یہ فرمایا ہے کہ چاروں مذاہب برحق ہیں تو اُن کی مراد یہ ہے کہ ان چاروں مذاہب کا تعلق اہل سنت وجماعت سے ہے، ان میں سے کوئی بھی مجتہد بدعت اور نفس پرستی کی طرف مائل نہیں تھا، یہ سب کے سب کتاب ربانی اور محبوب صمدانی کی سنت کے پیروکار تھے۔

گروہ صوفیہ کا تعلق کس جماعت سے ہے؟

شیخ شرف الدین یحیٰ منیری قدس اللہ روحہ کی کتاب ''شرح آداب'' میں مذکور ہے کہ: چاروں مذاہب کے صوفیوں نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح فقہائے محدثین کا مذہب اختیار کیا ہے (امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا تعلق فقہائے محدثین کی جماعت سے تھا) اور اس قول کا مطلب بھی یہی ہے جس میں یہ کہا گیا ہے کہ اصفیا جس مذہب پر بھی رہے ہوں انھوں نے فقر وطریقت اختیار کرنے کے بعد امام شافعی کے مذہب کو اختیار کر لیا، یہ بات اس جماعت کے تمام مشائخ کی کتابوں میں درج ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے جن لوگوں نے فقر وطریقت کی راہ اختیار کی وہ اسلاف اور اپنے شیخ کے مذہب پر تھے، جیسا کہ بزرگوں نے فرمایا ہے کہ:

سلطان العارفین (بایزید بسطامی) قدس اللہ روحہ، امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے مذہب پر تھے۔

مگر طریقت میں یہ بات درست نہیں ہے کہ مرید اپنے شیخ کو چھوڑ کر دوسرے شیخ کے مذہب پر رہے اور اپنے شیخ کے معمولات کی مخالفت کرے۔

اس مقام پر کسی کے دل میں یہ خیال نہ گزرے کہ اس سے تو امام اعظم رضی اللہ عنہ کے مذہب میں نقص سمجھ میں آتا ہے، ایسا ہرگز نہیں ہے، بلکہ امام اعظم کا مذہب پسندیدہ اور فضیلت وبزرگی والا ہے، البتہ مشائخ طریقت نے جو امام شافعی علیہ الرحمہ کا مذہب اختیار کیا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب میں سختی اور دشواری ہے اور اس جماعت کا یہ طریقہ ہے کہ وہ نفس کو مقہور (زیر) کرنے کی کوشش کرتی ہے اور دینی امور میں احتیاط کا مظاہرہ کرتی ہے، اس بنیاد پر ان بزرگوں نے شافعی مذہب اختیار کیا ہے، کسی اور وجہ سے نہیں۔

پیر دستگیر قطب العالم شیخ شاہ مینا قدس اللہ روحہ العزیز سے میں (مخدوم سعد) نے پوچھا کہ مجتہد علما دنیا میں بہت سے

گزرے ہیں لیکن چار مجتہدین ہی کو صاحب مذہب کہتے ہیں دوسروں کو صاحب مذہب نہیں کہتے ہیں، آخر اس کی کیا وجہ ہے؟

آپ نے ارشاد فرمایا: ''تہذیب المذاہب'' میں لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح حدیث مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر ایک شخص نے عرض کیا: میں نے ایک خواب دیکھا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کون سا خواب دیکھا ہے؟ بتاؤ!

اس شخص نے کہا: میں نے آسمان و زمین کے مابین ایک خیمہ دیکھا جس کی چار طنابیں تھیں اور ان چاروں طنابوں کی نگہبانی پر چار لوگ متعین ہیں۔

یہ سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ خیمہ جو تم نے دیکھا وہ دین اسلام ہے اور چار طنابیں چار مذاہب ہیں اور چار لوگ جو تم نے دیکھا، یہ وہ لوگ ہیں جو میرے بعد ظاہر ہوں گے اور اُن میں سے ہر ایک صاحبِ مذہب ہوگا۔

مرید کو یہ بھی جاننا چاہیے کہ ہر مجتہد نفس اجتہاد میں حق پر ہے، یعنی اگر حق تک رسائی میں وہ غلطی بھی کر گیا اور حق تک رسائی حاصل نہیں کر سکا تب بھی وہ ایک حصہ ثواب کا مستحق ہوگا جو اس کے اجتہاد کا اجر ہوگا اور اگر حق تک اس کی رسائی ہوگئی تو وہ دوہرے اجر کا حق دار ہوگا، ایک اجتہاد کا اجر اور دوسرا حق تک پہنچنے کا اجر۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَلْمُجْتَهِدُ يُخْطِئُ وَيُصِيبُ فَإِنْ أَخْطَأَ فَلَهُ أَجْرٌ وَإِنْ أَصَابَ فَلَهُ أَجْرَانِ۔

ترجمہ: مجتہد کبھی خطا پر ہوتا ہے اور کبھی حق پر ہوتا ہے، اگر خطا پر ہے تو اُسے ایک اجر ملے گا اور اگر حق پر ہے تو وہ دوہرے اجر کا مستحق ہوگا۔

سوال: یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ حدیث، نص قرآنی سے متعارض ہے، کیوں کہ قرآن میں آیا ہے:

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا وَ مَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰى اِلَّا مِثْلَهَا ﴿۱۶۰﴾ (انعام)

ترجمہ: جو شخص کوئی نیکی کرے گا تو بدلے میں اس کو دس نیکیاں ملیں گی اور جو کوئی برائی کرے گا تو بدلے میں اس کو ایک ہی برائی ملے گی۔

لہٰذا خطا پر ہونے کی صورت میں اس آیت قرآنی کے مطابق ایک نہیں دس اجر ملنا چاہیے اور برحق ہونے کی صورت میں بیس اجر ملنا چاہیے نہ کہ دو اجر۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ تعارض اس صورت میں لازم آتا جب کہ حدیث میں یہ کہا جاتا:

اَلْمُجْتَهِدُ يُخْطِئُ وَيُصِيبُ فَإِنْ أَخْطَأَ فَلَهُ مِثْلٌ وَاحِدٌ وَإِنْ أَصَابَ فَلَهُ مِثْلَانِ۔

ترجمہ: مجتہد کبھی خطا پر ہوتا ہے اور کبھی حق پر، اگر خطا پر ہو تو اس کو ایک مثل اجر ملے گا اور اگر حق پر ہو تو اس کو دو مثل اجر ملے گا۔

بلکہ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ خطا کی صورت میں ایک اجر کا مستحق ہوگا اور اس ایک اجر سے وہی دس مثل مراد ہے اور

حق تک رسائی کی صورت میں دو اجر کا مستحق ہوگا اور اس دو اجر سے وہی بیس مثل مراد ہوگا۔

سوال: حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے فرمایا:

أُحْكُمْ عَلٰى رَأْيِكَ فَإِنْ أَصَبْتَ فَلَكَ عَشْرُ حَسَنَاتٍ وَإِنْ أَخْطَأْتَ فَلَكَ حَسَنَةٌ۔

ترجمہ: اپنی رائے سے فیصلہ کرو، اگر تیرا فیصلہ صحیح ثابت ہوا تو تجھے دس نیکیاں ملیں گی اور اگر صحیح ثابت نہیں ہو تو تجھے ایک نیکی ملے گی۔

یہ حدیث بھی بظاہر نص قرآنی سے متعارض ہے، کیوں کہ نص قرآنی سے پتا چلتا ہے کہ برحق ہونے کی صورت میں بیس نیکی ملنی چاہیے نہ کہ دس اور خطا ہونے کی صورت میں دس نیکی ملنی چاہیے نہ کہ ایک؟

جواب: حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی روایت خبر واحد ہے اور خبر واحد نص قطعی سے متعارض نہیں ہوسکتی، اس لیے کہ تعارض دو ایسی حجتوں کے تقابل کا نام ہے جو آپس میں برابر تو ہوں لیکن اس طرح ہو کہ اُن میں سے کسی کو دوسرے پر فضیلت حاصل نہ رہے، اس کے علاوہ امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ منقولی مسائل میں مجتہد کبھی غلطی کرتا ہے اور کبھی صحیح معنی تک رسائی حاصل کر لیتا ہے لیکن ان میں ایک ہی حق پر ہوتا ہے۔

جب کہ ابوالحسن عنبری معتزلی کا قول یہ ہے کہ مجتہد عقلیات میں حق اور درستگی پر ہوتا ہے اور قطعیات میں متعدد باتیں حق ہوسکتی ہیں، لیکن یہ قول باطل ہے۔ (اس کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے۔)

البتہ! احکام شریعت کے سلسلے میں عام معتزلہ اور اکثر اشاعرہ کا قول یہ ہے کہ مجتہد ہر حال میں درستگی پر ہوتا ہے اور اہل سنت و جماعت کا اس پر اتفاق ہے کہ مجتہد کبھی خطا پر ہوتا ہے اور کبھی درستگی پر، مگر اُن میں ایک ہی حق پر ہوتا ہے۔

علما نے فرمایا ہے کہ مجتہد جب غلطی کرے گا تو وہ ابتدا اور انتہا کے لحاظ سے (عندالناس اور عنداللہ) خطا کرنے والا ہوگا اور اس باب میں پسندیدہ مذہب یہ ہے کہ وہ شروع میں (عندالناس) درستگی پر ہے اور آخر میں (عنداللہ) خطا پر۔

✲✲✲

بدبختی کی علامتیں

شیخ محمد بن فضل بلخی قدس اللہ سرہٗ سے بدبختی کی علامت دریافت کی گئی تو آپ نے جواب میں فرمایا:

✲ علم دیا جائے اور عمل کی توفیق نہ دی جائے۔

✲ عمل کی توفیق دی جائے مگر اخلاص سے محروم ہو۔

✲ اللہ تعالیٰ کے دوستوں کے دیدار کی دولت تو نصیب ہو لیکن اُن کی تعظیم نہ کرے۔ (نفحات الانس)

شیخ ابوسعید کی عبادت وریاضت

حضرت شیخ ابوسعید فضل اللہ بن ابی الخیر محمد بن احمد میہنی قدس اللہ سرہٗ العزیز پانچویں صدی ہجری کے مشہور بزرگ اور نظریۂ وحدۃ الوجود کے مبلغین میں ایک اہم ہستی ہیں۔ان کی پیدائش ’خراسان‘ کے ’میہنہ‘ گاؤں میں ۳۵۷ہجری کو ہوئی اور ۴۴۰ہجری میں اسی جگہ وفات پائی’’**اسرارالتوحید فی مقامات ابی سعید**‘موسوم بہ’**مقامات خواجہ**‘ان کی شخصیت اور ارشادات پر مشتمل ہے جسے آپ کے پوتے شیخ محمد بن منور قدس سرہٗ نے ترتیب دی ہے۔یہ کتاب دنیائے تصوف کی مستند کتابوں میں سے ایک ہے۔اس کا ترجمہ **مولانا رکن الدین سعیدی** استاذ جامعہ عارفیہ نے کیا ہے، جسے عام افادیت کے لیے پیش کیا جارہا ہے۔ (ادارہ)

جب اس طرح ایک مدت گزر گئی اور اُن کے اندر مخلوق کے ساتھ گزارہ کرنے کی کوئی خواہش باقی نہ رہی، بلکہ مخلوق کو دیکھنے سے بھی ان کو زحمت ہونے لگی تو نتیجہ یہ نکلا کہ وہ جنگل میں رہنے لگے، پہاڑوں اور بیابانوں میں گشت کرتے اور جنگل کی حلال چیزوں پر اپنا گذر بسر فرماتے۔اس طرح شیخ ایک ماہ بیس دن تک صحرا میں گھومتے رہے، اِدھر آپ کے والد ماجد دن رات آپ کو تلاش کرتے رہتے، لیکن آپ کو نہ پاتے۔ایک دن اتفاقاً’’میہنہ‘‘ کا ایک شخص لکڑی کے لیے جنگل گیا(یا کھیتی باڑی کی ضرورت سے جنگل پہنچا) تو اس نے شیخ کو وہاں دیکھا، پھر جب وہ گھر آیا تو آپ کے والد ماجد کو آپ کے بارے میں اطلاع دی، چنانچہ والد محترم اسی وقت جنگل گئے اور آپ کو واپس گھر لائے۔

شیخ ابوسعید قدس اللہ سرہٗ، والد محترم کی خاطر داری میں جنگل سے گھر تو آ گئے، لیکن ان کا دل ابھی بھی مخلوق سے الگ تھلگ رہنے پر اصرار کررہا تھا،لہٰذا جنگل سے آئے ابھی چند ہی روز گزرے تھے کہ وہ لوگوں کی بھیڑ برداشت نہ کر سکے اور ایک بار پھر پہاڑوں اور بیابانوں کی طرف چلے گئے۔

اِدھر’’میہنہ‘‘والے جب بھی آپ کو صحرا میں دیکھتے تو آپ کے ساتھ ہمیشہ ایک سفید لباس اور بارعب و پرجلال شخصیت کے مالک بزرگ کو پاتے۔

جب حضرت شیخ کی شخصیت حد درجہ بلند اور مشہور ہوگئی، نیز مخلوق سے آپ کا میل جول قائم ہوگیا تو لوگوں نے پوچھا کہ:

حضور! ہم لوگوں نے آپ کو صحرا میں جب بھی دیکھا، آپ کے ہمراہ ہمیشہ ایک بارعب و پرجلال بزرگ کو پایا، وہ بزرگ کون تھے؟

حضرت شیخ ابوسعید قدس اللہ سرہٗ نے جواب دیا:

وہ حضرت خضر علیہ السلام تھے۔

ہم (شیخ محمد بن منور) نے شیخ ابوالقاسم جنید بن علی شرمقالی کے’’مقالات‘‘میں دیکھا ہے، وہ لکھتے ہیں کہ:

میں ایک دن شیخ ابوسعید قدس اللہ سرہٗ کے ہمراہ’میہنہ‘‘ کی طرف نکلا، جب راستے میں ہم لوگ ایک پہاڑ کے سامنے پہنچے تو انھوں نے اس ناچیز سے فرمایا کہ:

اے ابوالقاسم! یہ وہ پہاڑ ہے جہاں سے اللہ تعالیٰ نے حضرت ادریس علیہ الصلاۃ والسلام کو آسمان پر اٹھالیا تھا، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَّرَفَعۡنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا (مریم)

ترجمہ: اور ہم نے اسے بلند مکان کی طرف اٹھالیا۔

پھر ایک ایسے پہاڑ کی طرف اشارہ کیا جو حضرت ادریس علیہ الصلاۃ والسلام کے نام سے معروف ومشہور ہے (یہ پہاڑ تقریباً پندرہ کلومیٹر تک پھیلا ہوا ہے)۔

اس کے بعد شیخ ابوسعید نے فرمایا کہ: اس وقت پہاڑ میں وہ لوگ موجود ہیں جو مشرق ومغرب کے اطراف سے آئے ہوئے ہیں، یہ سب یہاں رات گزارتے ہیں اور کثرت سے سجدے (یعنی نماز) میں مصروف رہتے ہیں، ہم نے بھی یہاں بہت دن گزارے ہیں۔

پھر فرماتے ہیں کہ: اس پہاڑ پر ایک بلند ٹیلہ یا ٹیکری ہے جس کی وجہ سے پہاڑ کا ایک حصہ باہر لٹکا ہوا ہے، اگر کوئی باہر لٹکے ہوئے اس پہاڑی حصے (ٹیلے) پر آجائے اور وہاں سے نیچے دیکھے تو وہ خوف ودہشت کی وجہ سے اپنا ہوش وحواس کھو بیٹھے۔

غرض کہ ایک رات جب ہم اس پہاڑ پر تھے، اپنا جانماز ہم نے پہاڑ کے اسی حصے (ٹیلے) پر بچھا دیا اور اپنے دل میں یہ ارادہ کرلیا کہ اللہ تعالیٰ کی توفیق اور مدد سے دو رکعت نماز کے اندر قرآن کریم مکمل کر دیں گے، اِدھر ہمارے دل نے ہم سے یہ کہا کہ اگر تجھ پر غنودگی طاری ہوگئی تو یقیناً نیچے گر کر تو ریزہ ریزہ ہو جائے گا۔ جب ہم نے قرآن کریم کا نصف حصہ پڑھ لیا اور سجدے میں گئے تو ہم پر نیند کا ایسا غلبہ ہوا کہ ہم سو گئے اور اسی حالت میں یہ دیکھا کہ ہم نیچے گر گئے ہیں، جب نیند سے جاگے تو خود کو فضا میں پایا۔ ہم نے اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگی، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہوا اور ہم کو فضا سے پہاڑ کے دامن میں پہنچا دیا گیا۔

شیخ ابوسعید قدس اللہ سرہٗ اکثر وبیشتر ایک پرانی خانقاہ میں رہتے تھے جو ''ابیورد'' کے راستے میں ''میہنہ'' کے کنارے پر واقع ہے، اس جگہ پر شیخ ابوسعید قدس اللہ سرہٗ نے بہت زیادہ ریاضت ومجاہدہ فرمایا ہے۔

''میہنہ'' کے اندرونی دروازے سے قریب ذرا اونچا ایک ٹیلہ (یا ٹیکری) ہے جس کا نام ''زعقل'' ہے اور ''طوس'' کے راستے میں بھی ایک ''رباط'' ہے جو ''میہنہ'' سے کم وبیش اٹھارہ کلومیٹر کی دوری پر ہے۔

یہ ''رباط'' ایک پہاڑ کے دامن میں واقع ہے، اس کا نام ''رباط سرکلہ'' ہے۔ ''میہنہ'' میں آمد ورفت والے دروازے پر ایک دوسری ''رباط'' ہے جس میں داخل ہو کر لوگ قبرستان آتے جاتے ہیں۔

شیخ ابوسعید قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں کہ:

ایک دن بہت زیادہ کیچڑ ہو گیا، موسم بالکل ہی ٹھہرا ہوا تھا اور ہمارا دل بھی رنجیدہ تھا، ہم گھر سے نکلے اور سرائے کے دروازے پر آکر بیٹھ گئے، والدہ محترمہ بھی ہمارے بعد باہر تشریف لے آئیں اور فرمایا:

ابوسعید! اندر آجاؤ۔ ہم نے کہا: اچھا ماں!

پھر جب ہم نے یہ جان لیا کہ وہ واپس تشریف لے جا چکی ہیں تو ہم فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور جوتا ہاتھ میں لیکر قبرستان والی سرائے میں چلے گئے۔ جب ہم وہاں پہنچے تو دیکھا کہ وہاں پہ جو کچھ پانی تھا وہ تقریباً ختم ہو چکا ہے۔ ہم نے صرف اپنے پاؤں دھوئے اور جوتے پہن لیے، پھر ہم نے سرائے کا

دروازہ کھٹکھٹایا، اس کا منتظم باہر نکلا اور دروازہ کھول دیا، وہیں اس نے ہمارا جوتا دیکھا اور کہا: یہ حیرت انگیز بات ہے کہ اتنے کیچڑ کے باوجود ابوسعید کا جوتا خشک ہے، اس پر تعجب کی کیفیت طاری ہوگئی۔ ہم اندر گئے اور ایک کمرے میں داخل ہو گئے اور دروازے کا پٹ بند کر دیا، اس کے بعد ہم عرض و نیاز میں مشغول ہو گئے اور بارگاہِ الٰہی میں یہ التجا کی:

یا اللہ! یا احکم الحاکمین! تیرے حق کے طفیل اور تیری خدائی کے طفیل اور خود تجھ سے تیرے ہی طفیل، تیری عظمت کے طفیل، تیرے جلال کے طفیل، تیری کبریائی کے طفیل، تیری سلطانی کے طفیل، تیری سبحانی کے طفیل اور تیری کامرانی کے طفیل یہ التجا کرتے ہیں کہ ہم نے جو کچھ تجھ سے طلب کیا وہ تو نے ہمیں عطا فرمایا اور جو کچھ ہم طلب نہ کر سکے اور ہماری سمجھ وہاں تک نہ پہنچ سکی تو تو نے وہ سب ہمارے لیے مخصوص فرما دیا اور جو کچھ تیرے علم کے خزانوں میں جمع ہے جس کی خبر کسی کو نہیں اور جس کا راستہ کسی کو معلوم نہیں، نہ تیرے علاوہ کسی نے اس کو پہچانا ہے اور نہ ہی تیرے سوا وہ کسی کے علم میں آسکی ہے، اِس بندے (ابوسعید) کو وہ سب کچھ عطا کرنے سے تو دریغ نہ فرما، بلکہ اِس (ابوسعید) کو اپنے مقاصد میں کامیاب فرما۔

جب ہم اس دعا سے فارغ ہو گئے تو وہاں سے باہر نکلے اور اپنی قیام گاہ والی ''رباط'' میں واپس آ گئے۔

یہ تمام مقامات جس کا ہم نے سرائے کے ذیل میں ذکر کیا ہے، حضرت شیخ ابوسعید قدس اللہ سرہٗ کی عبادت گاہیں تھیں، شیخ نے ان تمام مقامات پر عبادات ادا کی ہیں۔ شیخ جب بھی ''میہنہ'' میں ہوتے، زیادہ تر انھیں مقامات پر قیام فرماتے اور اطمینان وسکون سے رہتے، ان کے علاوہ بہت سے مقامات اور ہیں جہاں انھوں نے عبادات ادا کی ہیں، اگر ان سب کا ذکر کیا جائے تو لازمی طور پر بات لمبی ہو جائے گی، پھر ان کا نام بنام ذکر سے اس سے زیادہ کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوسکتا کہ کوئی شخص توفیق الٰہی کے سبب ان مقامات کی زیارت کرے اور یہ جان سکے کہ یہ وہ مقامات ہیں جہاں پر یکتائے زمانہ اور یگانۂ روزگار بزرگ شیخ ابوسعید ابوالخیر قدس اللہ سرہٗ کے قدم پڑے تھے اور بس۔

واضح رہے کہ شیخ ابوسعید قدس اللہ سرہٗ مخلوق سے ہمیشہ دور رہتے اور مختلف مقامات پر تن تنہا عبادات وریاضات اور مجاہدات میں مشغول رہتے تھے، جب کہ شیخ کے والد ماجد برابر اُن کی تلاش وجستجو میں رہتے۔ کبھی ایک ماہ، کبھی مہینہ بھر سے کم اور کبھی مہینہ بھر سے زیادہ دن گزر جانے کے بعد اُن کو تلاش کر گھر لا پاتے اور بڑی محبت وشفقت اور نرمی سے اُن کے حالات وضروریات پر نظر رکھتے تا کہ حضرت شیخ کہیں پھر گھر سے نہ چلے جائیں۔

شیخ ابوسعید قدس اللہ سرہٗ کے والد ماجد نے یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ روزانہ رات کو جب میں نماز سے فارغ ہوتا اور گھر آتا تو گھر کے دروازے میں لوہے کی زنجیر لگا کر اُسے بند کر دیتا اور کان لگائے رکھتا کہ ابوسعید سو جائے، جب وہ تکیہ پر سر رکھ لیتا اور مجھے گمان ہو جاتا کہ وہ گہری نیند میں سو چکا ہے تو میں بھی سو جاتا، اسی طرح یہ سلسلہ چلتا رہا کہ اتفاقاً ایک بار آدھی رات کو میری آنکھ کھل گئی، گھر میں چاروں طرف نظر دوڑائی مگر ابوسعید کو نہ پایا، پھر میں گھر کے باہری دروازے کے پاس آیا دیکھا تو وہاں لوہے کی زنجیر نہ تھی، آخر تھک ہار کر بستر پر واپس آیا اور لیٹ گیا، لیکن دروازے پر اپنا کان لگائے رکھا، فجر

کے وقت ابوسعید آہستہ سے گھر میں داخل ہوا اور پہلے کی طرح دروازے میں زنجیر لگا دی، پھر بستر پر جا کر آرام سے سو گیا۔

کئی راتوں تک ابوسعید کا یہی معمول رہا لیکن میں نے اس (ابوسعید) پر یہ بات ظاہر نہ ہونے دی کہ میں اس کے معمول سے واقف ہو چکا ہوں۔ اِدھر میں ہر رات ابوسعید پر نگاہ رکھنے لگا، جب میں نے دیکھ لیا کہ وہ ہر رات معمول کے مطابق گھر سے باہر نکل جاتا ہے تو پدری شفقت اور محبت سے مغلوب ہو کر میں ابوسعید کے بارے میں عجیب و غریب باتیں سوچنے لگا اور میرے دل میں طرح طرح کے اندیشوں نے گھر کرنا شروع کر دیا اور ایسا کیوں نہ ہوتا کہ یہ مثل مشہور ہے کہ:

اَلصِّدِیۡقُ مُوۡلِعٌ بِسُوۡءِ الظَّنِّ۔

یعنی خیر خواہ دوست، بدگمانی میں پڑتا ہی پڑتا ہے۔

میں نے اپنے آپ سے کہا کہ ابوسعید جوان ہے، کہیں اس پر یہ محاورہ صادق نہ آ جائے کہ: اَلشَّبَابُ شُعۡبَۃٌ مِّنَ الۡجُنُوۡنِ۔

یعنی جوانی جنون کی ایک شاخ ہے۔

اور جنات و انسان میں سے کوئی شیطان ابوسعید کو راہ سے بے راہ نہ کر دے۔ (یہی سب کچھ سوچ کر) میں نے اپنے دل میں یہ پختہ ارادہ کر لیا کہ ایک رات میں یہ دیکھوں کہ وہ کہاں جاتا ہے اور کس کام میں مشغول رہتا ہے؟

چنانچہ ایک رات جیسے ہی وہ بستر سے اٹھا میں بھی بستر سے اٹھ گیا اور جن جن راستوں سے وہ جا رہا تھا (کچھ مناسب فاصلہ بنا کر) میں بھی اس کے پیچھے پیچھے چل پڑا، میری نظریں اسی پر مرکوز تھیں، لیکن اس طرح کہ اُسے میرے متعلق کوئی خبر نہ ہو۔ ابوسعید چلتا رہا یہاں تک کہ وہ پرانی سرائے پہنچا اور اس میں داخل ہو گیا۔

اِدھر میں بھی سرائے کی چھت پر جا پہنچا، دیکھا تو پایا کہ ابوسعید سرائے کی ایک مسجد میں داخل ہو رہا ہے، پھر اس نے مسجد کے دروازے کو اندر سے بند کر کے اس کے پیچھے ایک لکڑی رکھ دی، تاکہ اُسے کھولا نہ جا سکے، جب کہ میں ایک روشندان سے اس کے ہر طرزِ عمل پر نگاہیں جمائے ہوئے تھا۔

وہ اندر داخل ہوتا چلا گیا، وہاں رسی سے بندھی ایک لکڑی رکھی ہوئی تھی، ابوسعید نے وہ لکڑی اٹھالی اور اُسے اپنے پیروں میں باندھ لیا، پھر مسجد کے ایک گوشے میں واقع کنویں کی منڈیر پر پہنچا، رسی سے بندھی ہوئی لکڑی کو کنویں کی منڈیر پر ڈالا اور خود کو کنویں کے اندر لٹکا لیا، اس کے دونوں پیر اوپر اور سر نیچے تھا، اس نے قرآن کریم پڑھنا شروع کیا اور سحری کے وقت تک پورا قرآن ختم کر دیا، یہ سب میں سن رہا تھا، اس کے بعد اس نے خود کو کنویں سے نکالا اور لکڑی کو وہیں پہ رکھ دیا جہاں وہ رکھی تھی، پھر دروازہ کھولا اور مسجد سے باہر آ گیا اور سرائے کے بیچ میں پہنچ کر وضو کرنے لگا۔ میں چھت سے نیچے آیا اور تیزی سے گھر پہنچ کر لیٹ گیا، یہاں تک کہ ابوسعید گھر میں داخل ہوا اور جس طرح روزآنہ سونے کا انداز تھا، اسی طرح اپنا سر تکیہ پہ رکھا اور اطمینان وسکون کے ساتھ سو گیا۔

رات میں میرے بیدار ہونے کا جو معمول تھا میں اسی کے مطابق اٹھا، لیکن خود کو ابوسعید سے دور رکھا، بلکہ جس وقت اس کو روزانہ جگایا کرتا تھا اسی وقت اُسے بیدار کیا اور معمول کے مطابق میں نماز باجماعت ادا کرنے کے لیے نکل گیا۔

اس کے بعد میں نے چند راتیں اور دھیان دیا تو پایا کہ ابوسعید ہر رات اسی طرح معمولات ادا کرتا ہے، یہاں تک کہ ایک عرصہ تک اس نے اس ریاضت ومجاہدے پر لگاتار عمل کیا۔

❊❊❊

ہمارا جینا اور مرنا اللہ کے لیے ہو

یہ مضمون جامعہ عارفیہ کے طلبہ کی جانب سے منعقد سالانہ ثقافتی پروگرام ''جشن یوم غزالی'' میں ہوئی ایک یادگاری تقریر ہے۔اس کی ترتیب مولانا **رکن الدین سعیدی** نے دی ہے جسے عوام کی افادیت کے لیے پیش کیا جارہا ہے۔ (ادارہ)

اس کے بعد پانچویں شرط ہے دوام الذکر، یعنی ہر لمحہ رب تبارک وتعالیٰ کو یاد کرنا۔

ہر لمحہ اللہ کو یاد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں جہاں کہیں بھی رہیں، جس حال میں بھی رہیں، جیسے ہم ہاتھ سے دنیا کا کام کریں، پاؤں سے چلیں پھریں اور جسم سے عالم اجسام میں سیر کریں مگر دل میں صرف اللہ کا ذکر ہو، اگر ہم ہل چلا رہے ہوں تو ہاتھ میں ہل اور سامنے بیل ہو، لیکن دل میں اللہ کی یاد ہو، اگر ہم دکان پہ سامان بیچ رہے ہوں تو ہاتھ میں ترازو ہو اور نگاہیں ترازو کے پلڑے پر ہوں، مگر دل سامان اور ترازو میں نہ لگا ہو، بلکہ اللہ کی یاد میں لگا ہو، اگر آپ درزی ہیں تو کپڑا کاٹیں یا سلیں، دل کاٹنے اور سلنے میں نہ لگا ہو، بلکہ دل اللہ کی یاد میں لگا ہو۔

چنانچہ شیخ ابوسعید شاہ احسان اللہ محمدی ادام اللہ ظلہ علینا اسی فلسفے کو ادا کرتے ہوئے فرماتے ہیں:ـ

با ہمہ و بے ہمہ تو رہ سدا
تاکہ حاصل ہو تجھے فضل خدا

غرض کہ دنیا میں سب کے ساتھ رہتے ہوئے بھی کسی کے ساتھ مشغول نہ ہو اور دل کو صرف اور صرف اپنے رب کے ساتھ لگائے رکھیں۔

یہاں یہ بھی جان لیں کہ دوام الذکر کی یہ کیفیت حاصل کرنا بظاہر آسان معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقت میں یہ سخت مشکل عمل ہے، کیوں کہ جب انسان دوام الذکر کی طرف قدم بڑھاتا ہے تو اس کے دل میں ایک سے بڑھ کر ایک وسوسہ آنے لگتا ہے اور ایک سے بڑھ کر ایک تمنا ابھرنے لگتی ہے، جیسے: کبھی تاج محل جیسا گھر بنانے کا وسوسہ دل میں آتا ہے، کبھی ہوائی جہاز جیسی گاڑی کا وسوسہ دل میں آتا ہے، کبھی قیمتی سے قیمتی کپڑا پہننے کا وسوسہ دل میں آتا ہے اور یہ خیال بہت ہی کم آتا ہے کہ کاش! ہم نماز اس طرح ادا کرتے کہ جس کے لیے نماز ادا کر رہے ہیں صرف اسی کی یاد میں محو رہیں، اس لیے ضروری ہے کہ اپنے دل کو ہمیشہ کے لیے تمام خواہشات سے پاک کرلیا جائے، ورنہ اگر (فقہا کی تصریحات کے مطابق) گھر میں کسی جاندار کی تصویر رکھ دی جائے تو اس گھر میں رحمت کے فرشتے نہیں آتے، چنانچہ یہ دل جو بہت ہی چھوٹا ہے، اگر اس میں پوری دنیا سما جائے تو پھر اس میں رحمت کیسے سما پائے گی؟

لیکن ہائے افسوس کہ ہم اپنے چھوٹے سے دل میں پوری دنیا سمائے بیٹھے ہیں، پھر بھی رحمت کے منتظر ہیں، اگر واقعی ہم اور آپ رحمت الٰہی کے امیدوار ہیں تو اپنے دل سے تمام دنیاوی چیزوں کو نکال دیں، اس کے بعد اللہ رب العزت کی بارگاہ میں زبان حال سے یہ کہیں کہ:ـ

سب تمنا دل سے رخصت ہوگئی
اب تو آجا اب تو خلوت ہوگئی

اب اس کے بعد یہ مرحلہ آتا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ تک پہنچنا چاہتا ہے اس کے لیے ایک کامل شیخ کی ضرورت ہے، چنانچہ جس کامل شیخ کے دامن کو اس نے تھام رکھا ہے، ہر لمحہ اس کے دل کا دروازہ اس شیخ کی طرف کھلا ہوا ہو، ورنہ اس کامل شیخ سے فیض نہیں پا سکتا ہے، جیسے آپ لاکھ قیمتی پنکھا لے آئیں، لاکھ قیمتی بلب لگالیں، اگر ٹرانسفارمر سے اس کا تعلق نہیں ہے تو وہ کچھ نفع نہیں دے سکتا لیکن اگر ایک ٹوٹا پھوٹا پنکھا ہی سہی، اگرچہ اُس کو کسی معمولی درجے کے مستری نے بنایا ہو، لیکن اگر ٹرانسفارمر سے اس کا تار جڑ جائے تو عین ممکن ہے کہ اس سے گرمی دور ہو جائے۔

مولانا روم تعلق بالشیخ کو بڑے اچھے انداز میں بیان کرتے ہیں: ع

از دل ماسوئے دل او روزن است

یعنی میرے دل سے اس کے دل کی جانب ایک کھڑکی ہے، میں اس کھڑکی سے ہمیشہ اس کی جانب متوجہ رہتا ہوں، وہ اپنی نورانی شعائیں میری جانب بھیجتا رہتا ہے۔

اس کو یوں بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ جیسے آپ کے گھر میں کوئی کھڑکی سورج کی طرف ہو تو سورج جہاں کہیں بھی رہے، اپنی شعاؤں کو آپ کے اندھیرے گھر میں بھیج کر روشن کرتا رہتا ہے، اسی طرح اگر کوئی شخص اپنا دل شیخ کی جانب لگائے رکھے تو اس شیخ کی توجہ کے نور سے اس کا تاریک دل بھی روشن ہوتا رہتا ہے، اس لیے ہم اور آپ بھی اپنے اپنے دل کی کھڑکیوں کو شیخ کی جانب کھولے رکھیں، تاکہ ہم سب کا تاریک دل روشن ہوتا رہے: ؎

قیامت تک نہ اس ظلمت کدے میں روشنی ہوتی
تری ذات گرامی مطلع انوار ہے ساقی

جن لوگوں کا سینہ تصور شیخ سے منور ہے وہ اس کا بھرپور لطف اٹھا سکتے ہیں۔

آخری شرط ہے دَوَامُ تَرْکِ الْاِعْتِرَاضِ فِی کُلِّ مَایَرِدُ عَلَیْہِ مِنْہُ تَعَالٰی، یعنی جو چیز بھی اللہ رب العزت کی بارگاہ سے اس کی زندگی میں مل رہی ہے اور جو حالت بھی اس کی زندگی میں طاری ہو رہی ہے، اس پر اعتراض نہ کرے، بلکہ ہر حال میں اللہ رب العزت کے فیصلے سے راضی رہے اور یہ کہے کہ:

یا اللہ! نہ ہم خوشی کے بندے ہیں اور نہ غم کے بندے ہیں اور نہ ہی ہم راحت وسکون کے بندے ہیں، اگر تو خوش رکھنے میں راضی ہے تو تیرا یہ بندہ بھی اسی میں راضی ہے اور اگر تو در در بھیک منگانے میں راضی ہے تو تیرا یہ بندہ بھی اسی میں راضی ہے، کیوں کہ ہم خوشی اور غم کے بندے نہیں، بلکہ ہم تو تیرے بندے ہیں: ؎

نہ الم مرا الم ہے نہ خوشی مری خوشی ہے
مجھے جس طرح تو رکھے تری بندہ پروری ہے

رباب زیست کے تاروں میں زیر و بم نہ رہا
خوشی خوشی نہ رہی اور الم الم نہ رہا
غموں سے لطف اٹھانے کی پڑگئی عادت
مرے لیے تو زمانہ میں کوئی غم نہ رہا

٭٭٭

ضیاء الرحمن علیمی

شب برأت: قرآن واحادیث کی روشنی میں

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فِيۡهَا يُفۡرَقُ كُلُّ اَمۡرٍ حَكِيۡمٍ ۙ﴿۴﴾ (دخان)

اس (برکت والی رات) میں ہر حکمت والے کام کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔

جمہور کے نزدیک اس آیت میں برکت والی رات سے مراد شب قدر ہے لیکن بعض دوسرے مفسرین، مثلاً: حضرت عکرمہ (ت:۱۰۵ھ) کے نزدیک اس آیت میں برکت والی رات سے شب برأت مراد ہے، احادیث وآثار کی بعض روایات سے اس موقف کی بھی تائید ہوتی ہے، مثلاً: عثمان بن محمد اخنس تابعی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تُقْطَعُ الْآجَالُ مِنْ شَعْبَانَ إِلَى شَعْبَانَ۔

(شعب الایمان، لیلۃ من نصف شعبان)

ترجمہ: لوگوں کی زندگیاں ایک شعبان سے دوسرے شعبان میں منقطع ہوتی ہیں۔

ابوالضحیٰ کوفی (ت:۱۰۰ھ تقریباً) بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

إِنَّ اللهَ يَقْضِي الْأَقْضِيَةَ فِي لَيْلَةِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ وَيُسَلِّمُهَا إِلَى أَرْبَابِهَا فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ۔

(معالم التنزیل، ج:۱، ص:۲۲۷)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ پندرہویں شعبان کی رات کو معاملات کے فیصلے فرماتا ہے اور لیلۃ القدر میں ان فیصلوں کو ان کے اصحاب کے سپرد کردیتا ہے۔

احادیث سے ثبوت

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

فَقَدْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً فَخَرَجْتُ، فَإِذَا هُوَ بِالْبَقِيعِ، فَقَالَ: أَكُنْتِ تَخَافِينَ أَنْ يَحِيفَ اللهُ عَلَيْكِ وَرَسُولُهُ، قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنِّي ظَنَنْتُ أَنَّكَ أَتَيْتَ بَعْضَ نِسَائِكَ، فَقَالَ: إِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ يَنْزِلُ لَيْلَةَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا، فَيَغْفِرُ لِأَكْثَرَ مِنْ عَدَدِ شَعْرِ غَنَمِ كَلْبٍ۔ (سنن ترمذی: لیلۃ النصف من شعبان)

ترجمہ: ایک رات میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بستر پر موجود نہیں پایا، میں باہر نکلی تو دیکھا کہ آپ جنت البقیع میں تھے، آپ نے فرمایا: کیا تم کو خطرہ تھا کہ اللہ اور اس کے رسول تم پر ظلم کریں گے؟ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں نے تو یہ سمجھا کہ شاید آپ اپنی کسی دوسری زوجہ کے پاس گئے ہیں، آپ نے فرمایا:

بے شک اللہ عزوجل پندرہویں شعبان کی رات کو آسمان دنیا کی طرف شایان شان نزول فرماتا ہے اور قبیلہ کلب کی بکریوں کے بالوں سے زیادہ تعداد میں لوگوں کی مغفرت فرماتا ہے۔

اس حدیث کو امام ترمذی کے علاوہ امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں ابن ماجہ سنن میں اوران کے علاوہ دوسرے محدثین نے بھی ذکر کیا ہے۔ ان کی اسناد میں اگرچہ کچھ ضعف ہے لیکن مجموعی طور پر استدلال کے قابل ہیں۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

يَطَّلِعُ اللهُ عَزَّوَجَلَّ عَلٰى خَلْقِهٖ لَيْلَةَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَيَغْفِرُ لِجَمِيْعِ خَلْقِهٖ إِلَّا مُشْرِكٌ أَوْ مُشَاحِنٌ۔

(معجم کبیر، معاذ بن جبل انصاری، اوسط، ج:۷، ص:۳۶)

ترجمہ: پندرہویں شعبان کو اللہ عز وجل اپنے بندوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو شرک اور بغض وکینہ رکھنے کے علاوہ سب کی مغفرت فرما دیتا ہے۔

علامہ ابن حجر ہیتمی نے مجمع الزوائد (ج:۸، ص:۶۵) میں فرمایا کہ اس حدیث کی دونوں روایتوں کے رجال ثقات ہیں، شعب الایمان اور صحیح ابن حبان میں بھی یہ حدیث متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِذَا كَانَتْ لَيْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَقُوْمُوْا لَيْلَهَا وَصُوْمُوْا نَهَارَهَا فَإِنَّ اللهَ تَعَالٰى يَنْزِلُ فِيْهَا لِغُرُوْبِ الشَّمْسِ إِلٰى سَمَاءِ الدُّنْيَا فَيَقُوْلُ أَلَا مِنْ مُسْتَغْفِرٍ لِي فَأَغْفِرَ لَهُ أَلَا مِنْ مُسْتَرْزِقٍ فَأَرْزُقَهُ، أَلَا مُبْتَلًى فَأُعَافِيَهُ أَلَا كَذَا، أَلَا كَذَا حَتّٰى يَطْلُعَ الْفَجْرُ۔ (سنن ابن ماجہ، لیلۃ نصف من شعبان)

ترجمہ: جب پندرہویں شعبان آئے تو رات میں قیام کرو اور دن میں روزہ رکھو، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ سورج غروب ہونے کے وقت سے آسمان دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے اور ندا دیتا ہے، ہے کوئی مغفرت طلب کرنے والا جس کی مغفرت کردوں؟ ہے کوئی روزی طلب کرنے والا جس کو روزی عطا کردوں؟ ہے کوئی مصیبت کا مارا کہ اُسے عافیت بخش دوں؟ ہے کوئی ایسا؟ ہے کوئی ایسا؟ یہاں تک کہ فجر کا وقت ہو جاتا ہے۔

اس حدیث کو ابن قیم کے ایک شاگرد ابن رجب حنبلی (ت:۷۹۵ھ) نے لطائف المعارف فیما لمواسم العام من الوظائف میں ذکر کیا ہے۔

شب برأت اور سلف صالحین

سلف صالحین بھی شب برأت کی فضیلت کے قائل رہے ہیں اور اسی وجہ سے عام طور پر مختلف فضیلت والی راتوں کے ضمن میں علما وفقہا نے شب برأت کا بھی ذکر کیا ہے۔ ان میں ایک نام حافظ حاجب ابن رجب حنبلی کا ہے انھوں نے لطائف المعارف میں ذکر کیا ہے کہ اہل شام میں ائمہ تابعین مثلاً: خالد بن معدان (ت:۱۰۳ھ)، مکحول (ت:۱۱۴ھ تقریباً)، لقمان بن عامر وغیرہم شب برأت کی تعظیم کیا کرتے تھے اور اس رات میں عبادت کی بڑی کوشش کرتے، اسی طرح بصرہ کے عابدوں کی ایک جماعت بھی اس کی تعظیم کرتی تھی، آگے چل کر انھوں نے ذکر کیا ہے کہ اس سلسلے میں علمائے شام کی دو جماعت ہے:

ایک وہ جو جماعت کے ساتھ اس رات میں قیام کو مستحب سمجھتی ہے، ان میں خالد بن معدان، لقمان بن عامر وغیرہما اچھے اچھے لباس پہنتے، خوشبو لگاتے اور اس رات مسجد میں قیام کرتے، امام بخاری کے استاذ اسحاق بن راہویہ (ت:۲۳۸ھ) بھی انھیں لوگوں میں ہیں۔ دوسری وہ جماعت جو اس رات گھر میں شب بیداری کے جواز اور مسجد میں اس کی کراہت کی قائل ہے، اس جماعت میں امام اوزاعی (ت:۱۵۷ھ) بھی شامل ہیں۔

ایک روایت کے مطابق امام احمد بن حنبل بھی اس رات میں شب بیداری کے استحباب کے قائل ہیں، کیونکہ عبدالرحمن بن اسود بن یزید تابعی (ت:۹۹ھ تقریباً) کا بھی یہی عمل ہے۔ (المجلس الثانی فی نصف شعبان)

مؤرخ مکہ محمد بن اسحاق فاکہی (ت:۲۷۵ھ) نے نقل کیا ہے کہ: اہل مکہ کی یہ عادت ہے کہ جب پندرہویں

شعبان آتی ہے تو مرد وعورت سب کے سب مسجد حرام پہنچ کر طواف کرتے، نماز بھی ادا کرتے اور تلاوت میں رات گزار دیتے یہاں تک کہ پورا قرآن کریم تلاوت کر لیتے۔

(تاریخ مکہ للفاکہی، عمل اہل مکہ لیلۃ النصف من شعبان)

یہی وجہ ہے کہ سلف صالحین کی ایک بڑی جماعت نے شب برأت کی فضیلت کے موضوع پر کتابیں بھی لکھیں اور منکرین کی تردید کی، ان میں سے بعض کے اسمائے گرامی ان کتابوں کے ساتھ درج ذیل ہیں:

۱۔فضائل شعبان از: فقیہ محمد بن اسماعیل بن ابو الصیف یمنی شافعی (ت:۶۰۹ھ)

۲۔ماجاء فی شہر شعبان
از: حافظ ابن دحیہ اندلسی (ت:۶۳۳ھ)

۳۔لیلۃ النصف من شعبان وفضلھا، از: حافظ ابوعبداللہ محمد بن سعید الدبیثی (ت:۶۳۷ھ)

۴۔تحلیۃ الشعبان فیماروی فی لیلۃ النصف من شعبان، از: حافظ شمس الدین محمد بن طولون صالحی دمشقی (ت:۹۵۳ھ)

۵۔الایضاح والبیان لماجاء فی لیلۃ النصف من شعبان، از: حافظ ابن حجر ہیتمی شافعی (ت:۹۷۵ھ)

۶۔مواھب الکریم المنان فی الکلام علی اوائل سورۃ الدخان وفضائل لیلۃ النصف من شعبان، از: حافظ نجم الدین غیطی شافعی (ت:۹۵۱ھ)

شب برأت اور محدثین

شب برأت کی فضیلت کے منکرین نے ہمیشہ یہ تأثر دینے کی کوشش کی ہے کہ محدثین کے نزدیک شب برأت کی کوئی فضیلت نہیں ہے، بلکہ محدثین نے عموماً اس پر طرح طرح سے اعتراضات کیے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ حدیث کے معاملے میں اپنے تشدد کی وجہ سے مشہور رہے ہیں وہ بھی شب برأت کی فضیلت کے قائل رہے ہیں اور اس کی فضیلت میں وارد احادیث کو معتبر مانا ہے۔

چنانچہ ابن تیمیہ نے لکھا ہے کہ پندرہویں شعبان کی فضیلت کے سلسلے میں بعض مرفوع احادیث وآثار مروی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ اس رات کو فضیلت حاصل ہے اور بعض اسلاف اس رات میں خاص طور سے نمازیں ادا کیا کرتے تھے، انھوں نے آگے چل کر یہ فیصلہ کن بات بھی لکھی ہے:

لٰكِنَّ الَّذِىْ عَلَيْهِ كَثِيْرٌ مِّنْ أَهْلِ الْعِلْمِ أَوْ أَكْثَرُهُمْ مِنْ أَصْحَابِنَا وَغَيْرِهُمْ عَلٰى تَفْضِيْلِهَا وَعَلَيْهِ يَدُلُّ نَصُّ أَحْمَدَ لِتَعَدُّدِ الْأَحَادِيْثِ الْوَارِدَةِ فِيْهَا وَمَا يُصَدِّقُ ذٰلِكَ مِنْ آثَارِ السَّلَفِ وَقَدْ رُوِىَ بَعْضُ فَضَائِلِهَا فِي الْمَسَانِيْدِ وَالسُّنَنِ وَإِنْ كَانَ وَقَدْ وُضِعَ فِيْهَا أَشْيَاءُ أُخَرُ۔

(اقتضاء الصراط المستقیم لابن تیمیہ، ص:۳۰۲)

ترجمہ: لیکن بہت سارے اہل علم اور ہمارے اکثر اصحاب (حنابلہ) کا موقف یہ ہے کہ اس رات کو فضیلت حاصل ہے، امام احمد کی عبارت سے بھی یہی پتا چلتا ہے، کیونکہ اس کی فضیلت میں متعدد احادیث وارد ہیں اور آثار سلف سے اس کی تصدیق ہوتی ہے، اس کی کچھ فضیلتیں مسانید وسنن (حدیث کی کتابوں) میں مروی ہیں، اگرچہ اس کی فضیلت میں کچھ باتیں بڑھا بھی دی گئی ہیں۔

فتاویٰ ابن تیمیہ میں لکھا ہے کہ:

وَأَمَّا لَيْلَةُ النِّصْفِ فَقَدْ رُوِىَ فِي فَضْلِهَا أَحَادِيْثُ وَآثَارٌ وَنُقِلَ عَنْ طَائِفَةٍ مِّنَ السَّلَفِ أَنَّهُمْ كَانُوْا يُصَلُّوْنَ فِيْهَا فَصَلَاةُ الرَّجُلِ فِيْهَا وَحْدَهُ قَدْ تَقَدَّمَهُ فِيْهِ سَلَفٌ وَلَهُ فِيْهِ حُجَّةٌ فَلَا يُنْكَرُ مِثْلُ هٰذَا۔ (ج:۲۳، ص:۱۳۲ تا ۱۳۳)

ترجمہ: اور جہاں تک پندرہویں شعبان کی بات ہے تو اس کی فضیلت میں احادیث وآثار مروی ہیں اور اسلاف کی ایک جماعت سے منقول ہے کہ وہ اس رات میں نماز ادا کرتے تھے، چنانچہ شب برأت میں اگر کوئی تنہا عبادت کرتا ہے تو اسلاف بھی ایسا کر چکے ہیں اور اس میں اس کے لیے دلیل ہے۔ چنانچہ اس کا انکار نہیں کیا جائے گا۔

اسی میں لکھا ہے کہ: إِذَا صَلَّى الْإِنْسَانُ فِي لَيْلَةِ النِّصْفِ وَحْدَهُ أَوْفِي جَمَاعَةٍ خَاصَّةٍ كَمَا كَانَ يَفْعَلُ طَوَائِفُ مِّنَ السَّلَفِ فَهُوَ حَسَنٌ۔ (ایضاً)

ترجمہ: اگر انسان پندرہویں شعبان کو اکیلا یا خاص جماعت میں نماز ادا کرے جیسا کہ اسلاف کی جماعتیں کرتی تھیں تو یہ حسن ہے۔

شیخ ناصر الدین البانی (ت: ۱۴۲۰ھ) نے بھی شب برأت کی احادیث پر تحقیقی گفتگو کی ہے اور یہ فیصلہ دیا ہے:

وَجُمْلَةُ الْقَوْلِ إِنَّ الْحَدِيْثَ بِمَجْمُوْعِ هٰذِهِ الطُّرُقِ صَحِيْحٌ بِلَارَيْبٍ۔ (السلسلۃ الصحیحہ للالبانی، ج: ۳، ص: ۱۳۵ تا ۱۳۹)

ترجمہ: خلاصہ یہ کہ شب برأت کی فضیلت میں وارد حدیث مجموعی طور پر بلا شبہ صحیح ہے۔

مشہور محدث عالم عبدالرحمن مبارکپوری (ت: ۱۲۸۳ھ) نے لکھا ہے: فَهٰذِهِ الْأَحَادِيْثُ بِمَجْمُوْعِهَا حُجَّةٌ عَلٰى مَنْ زَعَمَ أَنَّهُ لَمْ يَثْبُتْ فِي فَضِيْلَةِ لَيْلَةِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ شَيْءٌ۔ (تحفۃ الاحوذی، ج: ۳، ص: ۳۶۵)

ترجمہ: مجموعی طور پر یہ احادیث ان لوگوں کے خلاف حجت ہیں جن کا یہ گمان ہے کہ پندرہویں شعبان کی فضیلت میں کچھ صحت کے ساتھ ثابت نہیں ہے۔

جن لوگوں نے بھی یہ کہا ہے کہ شب برأت کی فضیلت میں کچھ بھی ثابت نہیں اور تمام احادیث ضعیف ہیں ان کو یا تو ان احادیث ضعیفہ کے مختلف طرق وشواہد کی اطلاع نہیں ہوسکی ورنہ وہ محدثین کے اصول کے مطابق کثرت طرق کی بنا پر ان احادیث پر حسن لغیرہ کا حکم لگاتے، یا پھر انھوں نے قصداً اس کی طرف توجہ نہیں دی اور اگر بالفرض ان احادیث کا مطلقاً ضعیف ہونا بھی مان لیا جائے تب بھی اکثر فقہا ومحدثین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ فضیلت کے باب میں ضعیف احادیث پر عمل کیا جائے گا، اس کو امام نووی نے نقل کیا ہے، ابن الصلاح کا یہی مذہب ہے اور اسلاف، مثلاً: سفیان ثوری، ابن عیینہ، ابن حنبل، ابن مبارک، ابن معین، ابن عدی اور خطیب سے بھی یہی منقول ہے۔ تفصیل کے لیے اصول حدیث کی کتابوں کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔

خاتمہ

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ پندرہویں شعبان کی فضیلت کی احادیث، محدثین کے اصول کے مطابق کم از کم حسن لغیرہ، ضرور ہیں، چنانچہ اگر اس رات میں خرافات مثلاً: آتش بازی اور بے جا رسموں کی پابندی چھوڑ کر عبادتوں کا اہتمام کیا جائے، گھروں اور مسجدوں کو ذکر الٰہی سے آباد کیا جائے تو یہ ایک مستحب اور مستحسن عمل ہے اور اس رات مساجد میں ذکر الٰہی اور نمازوں کا اہتمام کرنے والوں پر انکار، عمل بالحدیث سے روکنا ہے، ایسے لوگوں کو ڈرنا چاہیے کہ وہ آیت کریمہ: وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَ سَعٰى فِيْ خَرَابِهَا... ﴿۱۱۴﴾ (بقرہ) (اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ کی مسجدوں میں اس کا نام لینے سے منع کرے اور ان کو ویران کرنے کی کوشش کرے) کے حکم میں شامل تو نہیں ہو رہے ہیں؟

✲✲✲

غلام مصطفیٰ ازہری

معروف ومنکر کا مفہوم

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَ لْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴿۱۰۴﴾ (آل عمران)

ترجمہ:تم میں ایک جماعت ایسی ہو جو خیر کی دعوت دے،معروف کا حکم دے،منکر سے روکے اور یہی جماعت کامیاب ہے۔

امت محمدیہ کو دوسری امتوں پر جو فضیلت حاصل ہے، اس کی ایک اہم وجہ یہ بھی ہے کہ یہ امت معروف کی دعوت دینے اور منکر سے روکنے والی ہے، چنانچہ اسی سورہ میں چند آیتوں کے بعد اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ﴿۱۱۰﴾ (آل عمران)

ترجمہ:تم بہترین امت ہو، کیونکہ تم،لوگوں کو معروف کا حکم دیتے ہو اور منکر سے روکتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

أَحَبُّ الْأَعْمَالِ إِلَى اللهِ إِيْمَانٌ بِاللهِ ثُمَّ صِلَةُ الرَّحِمِ ثُمَّ الْأَمْرُ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْيُ عَنِ الْمُنْكَرِ۔

(مسند ابویعلیٰ،رجل من خثعم لم یسم)

ترجمہ:اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ عمل اللہ پر ایمان لانا ہے، پھر (نسبی اور دینی) رشتوں کی حفاظت کرنا ہے، پھر معروف کا حکم دینا اور منکر سے روکنا ہے۔

ایک دوسری حدیث پاک میں ارشاد فرماتے ہیں:

مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَراً فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ وَذٰلِكَ أَضْعَفُ الْإِيْمَانِ۔ (مسلم،النہی عن المنکر من الایمان)

ترجمہ:اگر تم کوئی برائی دیکھو تو اُسے اپنی طاقت سے روکو، اگر یہ نہ ہو سکے تو اپنی زبان ہی سے منع کرو اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو اپنے دل سے برا جانو اور یہ ایمان کا سب سے کم درجہ ہے۔

ان قرآنی آیات اور احادیث کریمہ سے واضح ہو گیا کہ معروف کا حکم دینا اور منکر سے روکنا دین کا اہم حصہ ہے جس کی تاکید اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہا فرمائی ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ معروف اور منکر کیا ہے؟ پہلے ان دونوں کا جان لینا ضروری ہے، تاکہ حکم الٰہی اور حکم نبی پر بخوبی عمل کیا جا سکے۔

معروف اور منکر کے معنی

لغت میں معروف اسے کہتے ہیں جو لوگوں میں متعارف ہو

المعجم الوسیط میں ہے:

عرف اور معروف اسے کہتے ہیں جو نکر (اور منکر) کی ضد ہو اور جو لوگوں کے نزدیک عادات ومعاملات میں متعارف اور مشہور ہو۔ (ج:۲،ص:۵۹۵)

معروف کا یہی معنی قران کریم کی اس آیت سے بھی سمجھ میں آتا ہے:

وَ عَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَ كِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (بقرۃ:۲۳۳)

بچے کی ماں کے لیے رواج وعرف کے موافق نفقہ اور کپڑا ہے۔

اسی طرح نیکی اور خیر کو بھی معروف کہتے ہیں:

وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴿۱۹﴾ (نسا)

ترجمہ: اور اپنے اہل وعیال کے ساتھ بھلائی کرو۔

احادیث میں معروف ومنکر کا جن معانی میں استعمال کیا گیاہے اس کا ذکر ''لسان العرب'' میں اس طرح کیا گیاہے کہ:

حدیث نبوی میں معروف کا ذکر بار بار آیاہے، یہ ایک ایسا اسم ہے جو اللہ کی طاعت، اس کی قربت، لوگوں کے ساتھ حسن معاشرت اور ہر اس چیز کو شامل ہے جس کو شریعت نے اچھا کہا اور جس سے منع کیا اور یہ چیز لوگوں کے درمیان اس طرح متعارف بھی ہو کہ لوگ اس کے کرنے والے کو منع نہ کرتے ہوں ،معروف؛ اہل وعیال اور دوسرے لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک اور اعتدال پسندی کو کہتے ہیں۔ منکر، معروف کے ان تمام معانی کا ضد ہے۔(ج:۹،ص: ۲۳۶)

یعنی منکر کبھی نادر اور غریب اور کبھی بری اور قبیح چیز پر بولا جاتاہے۔

اصحاب شرع کے یہاں بھی مطلق معروف اسی کو کہتے ہیں جو قرآن واحادیث سے ثابت ہو اور اس میں کسی بھی مجتہد کا اختلاف نہ ہو

صاحب اصول سرخسی لکھتے ہیں:

مطلق معروف وہی ہے جس کا اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہونا ثابت ہو، لہذا جس کا ثبوت مجتہدین کے اجتہاد سے ہو وہ غیر معروف ہے، کیونکہ مجتہد کا اجتہاد کبھی خطا کرتا اور کبھی صواب، لیکن وہ مسئلہ اس کے نزدیک معروف ہے یعنی مجتہد کا اپنے اجتہاد پر اس وقت تک عمل کرنا لازم ہوگا جب تک کہ اس کا غلط ہونا اس پر واضح نہ ہوجائے، غرض کہ معروف مطلق وہ عمل ہے جس کے معروف ہونے پر سب کا اجماع اور اتفاق ہو۔ (اصول سرخسی، ج:۱،ص:۲۹۶)

مشہور غیر مقلد عالم قاضی شوکانی نے لکھا ہے کہ:

آیت (تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ) کے معنی یہ ہیں کہ اس امت کے لوگ شریعت محمدیہ میں جس کا اچھا ہونا معروف ومشہور ہے اس کا حکم دیتے ہیں اور جس کا برا ہونا مشہور ہے اس سے روکتے ہیں۔ اس بات کی دلیل کہ یہ شئے معروف ہے یا منکر کتاب یا سنت ہے اجماع نہیں۔ کیونکہ زیادہ سے زیادہ مجتہدین کا اجماع اس بات کی رہنمائی کرتا ہے کہ کتاب وسنت سے جو ثابت ہے اس پر لوگوں کا اجماع بھی ہواہے۔ (ارشاد الفحول ج:۱،ص:۲۰۶)

قرآن کریم کے اسلوب سے بھی یہی پتہ چلتاہے کہ معروف ومنکر سے وہی معنی مراد ہے جو قرآن وحدیث سے ثابت ہو اور اس پر تمام ائمہ کا اتفاق ہو۔ سورۂ آل عمران میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتاہے:

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا﴿۱۰۳﴾

اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ نہ پھیلاؤ۔

اس آیت میں ''حبل اللہ'' سے مراد قرآن کریم ہے۔

پھر اگلی آیت: يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ہے، پھر اس کے بعد والی آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتاہے:

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ﴿۱۰۵﴾

ترجمہ: ان یہودیوں کی طرح نہ ہوجاؤ جنھوں نے واضح دلیلوں کے باوجود اختلاف کیا اور مختلف جماعتوں میں منقسم ہوگئے۔

قرآن کے اس نظم وترتیب سے سمجھ میں آتاہے کہ قرآن کریم نے جن امور کا واضح حکم دیاہے اور جن کی تاویل و تفسیر میں علما کا اختلاف نہیں ہے وہی معروف ومنکر ہیں اور رہے مختلف فیہ مسائل تو یہ إِخْتِلَافُ أُمَّتِي رَحْمَةٌ (میری امت کا اختلاف رحمت ہے) کے تحت آئیں گے، اگر ہم نے ان

امور میں بھی لوگوں پر سختی کی تو یہ رحمت زحمت بن جائے گی، اختلاف، اختلاف نہیں رہے گا بلکہ افتراق میں بدل جائے گا جس سے قرآن نے منع کیا ہے، نیز ہم اس حدیث پاک کے خلاف عمل کرنے کے مرتکب ہوجائیں گے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: يَسِّرُوا وَلاَ تُعَسِّرُوا، وَبَشِّرُوا، وَلاَ تُنَفِّرُوا۔ (بخاری، قول النبی یسروا)

ترجمہ: آسانی چاہو مشکل پیدامت کرو اور بشارت دو نفرت نہ پھیلاؤ۔

یہ واضح رہے کہ معروف ومنکر کے مختلف درجات ہیں:

- معروف ومنکر دین
- معروف ومنکر مذہب
- معروف ومنکر مشرب

ہمیں معروف دین اور منکر دین کی تبلیغ کا حکم آیا ہے، رہے معروف مذہب یا مشرب تو ان میں جو کسی مذہب کے نزدیک واجب ہو اُن کے ماننے والوں کو ان پر عمل کرنے کے لیے ابھارا جائے گا، اگرچہ وہ دوسرے مذہب کے نزدیک واجب نہ ہو اور جو کسی مذہب میں مستحب اور مندوب ہو اس کی ادائیگی پر زور نہیں دیا جائے گا۔

البتہ کبھی اشارةً یا کنایۃً یہ بتایا جائے گا کہ ہمارے مذہب میں ایسا کرنا مستحب ہے، ہمارے مشائخ کا اس پر عمل رہا ہے، یہی مذہب مختار ہے۔

معروف کی مثال

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پاک ہے:

بُنِيَ الإِسْلاَمُ عَلَى خَمْسٍ: شَهَادَةِ أَنْ لاَ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ، وَإِقَامِ الصَّلاَةِ، وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ، وَالحَجِّ، وَصَوْمِ رَمَضَانَ۔ (بخاری، کتاب الایمان)

یعنی اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے:

۱۔اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ ایک ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ کے رسول ہیں۔

۲۔نماز قائم کرنا ۳۔زکاۃ ادا کرنا

۴۔حج ادا کرنا ۵۔رمضان کا روزہ رکھنا

یہ سب معروف ہیں، ان کے معروف ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے، چنانچہ ان میں سے ہر ایک کی ادائیگی کا حکم دینا اور اس کی تبلیغ کرنا واجب ہے اور ان کے چھوڑنے والے کو عذاب الٰہی سے ڈرانا ضروری ہے۔

لیکن ان امور کی ادائیگی میں جو اختلافی احکام ہیں، مثلا: نماز میں امام کے پیچھے الحمد پڑھنا، اختلافی مسئلہ ہے، اس لیے اس کے کرنے اور نہ کرنے والے کو کچھ بھی نہیں کہا جائے گا، ہاں! اگر وہ شخص حنفی ہے تو اُسے بتایا جائے گا کہ امام اعظم کے نزدیک 'امام کے پیچھے الحمد پڑھنا' جائز نہیں۔ اس کے باوجود اگر وہ امام کے پیچھے الحمد پڑھتا ہے تو اسے مطعون نہیں کیا جائے گا کیونکہ اس کا یہ عمل معروف کے خلاف نہیں ہے، کیونکہ یہ مسئلہ ائمہ اربعہ کے نزدیک مختلف فیہ ہے، علمائے احناف اس کو مکروہ کہتے ہیں لیکن حنفی علما میں خود امام محمد بطور احتیاط قرات خلف امام کو مستحسن قرار دیتے ہیں:

وَيَسْتَحْسِنُ عَلَى سَبِيْلِ الْإِحْتِيَاطِ فِيْمَا يُرْوٰى عَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ۔ (ہدایۃ، باب القراۃ)

اسی طرح ممکن ہے کہ اس مسئلے میں اس کی اپنی کوئی تحقیق ہو، جیسے خواجہ نظام الدین اولیا قدس اللہ سرہٗ حنفی ہونے کے باوجود امام کے پیچھے الحمد پڑھتے تھے۔

یا پھر وہ خود مغلوب ہو، جیسے نماز میں اس پر تجلیات الٰہی کا اس قدر غلبہ ہوجائے کہ وہ بے ساختہ امام کے پیچھے الحمد پڑھنا شروع کردے۔

یا پھر کسی کی اتباع میں مغلوب ہو، جیسے کوئی حنفی ہو لیکن

اس کا شیخ شافعی ہوتو اس کی اتباع میں امام کے پیچھے الحمد پڑھنا شروع کردے۔

یا پھر کوئی نماز میں اِدھر اُدھر کے خیالات سے بچنے کے لیے الحمد کا تصور کرے کہ اس کی زبان پر بے ساختہ الحمد جاری ہوجائے۔

اسی طرح سے وہ مسائل جو فروع درفروع ہیں مثلاً: سجدہ کرتے وقت پاؤں کی انگلیوں کا زمین سے لگنا، پینٹ اگر ٹخنے سے نیچے ہوتو نماز کے لیے اس کو پلٹنا، لاوڈ اسپیکر پر نماز، نماز میں چین کی گھڑی باندھنا یہ ایسے مسائل ہیں جن کے بتانے کے ہم شرعی طور پر مکلف نہیں ہیں اور نہ ہی ان مسائل میں کسی پر زور ڈال کر عمل کرنے یا ترک کرنے کا حکم دینے کے حقدار ہیں۔

منکر کی مثال

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا...۝(بقرہ)

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال کیا اور سود کو حرام۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

يَنْهٰى عَنْ بَيْعِ الذَّهَبِ بِالذَّهَبِ، وَالْفِضَّةِ بِالْفِضَّةِ، وَالْبُرِّ بِالْبُرِّ، وَالشَّعِيرِ بِالشَّعِيرِ، وَالتَّمْرِ بِالتَّمْرِ، وَالْمِلْحِ بِالْمِلْحِ، إِلَّا سَوَاءً بِسَوَاءٍ، عَيْنًا بِعَيْنٍ، فَمَنْ زَادَ، أَوِ ازْدَادَ، فَقَدْ أَرْبَى. (مسلم)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سونا کے بدلے سونا، چاندی کے بدلے چاندی، گیہوں کے بدلے گیہوں، جو کے بدلے جو، کھجور کے بدلے کھجور اور نمک کے بدلے نمک بیچنے سے منع فرمایا لیکن جب کہ برابر ہو اور ہاتھوں ہاتھ ہو (تو بیع درست ہے) اور جس نے زیادہ دیا، یا زیادہ طلب کیا تو بے شک یہ سود ہوا۔

سود حرام ہے اور اس کے حرام ہونے میں کوئی شک بھی نہیں ہے اور ان چھ چیزوں کے درمیان جس کا حدیث میں ذکر ہوا سودی کاروبار کرنے کی حرمت میں کسی کو اختلاف نہیں، یہ منکر ہوا لیکن اس کے علاوہ دیگر چیزوں میں سودی لین دین کرنے میں اختلاف ہے، جیسے: بینک کے انٹرسٹ وغیرہ میں۔

امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک ماقبل میں مذکور چھ چیزوں کے علاوہ میں ربا واضح نہیں ہے جیسا کہ آپ فرماتے ہیں:

وَثَلَاثٌ، وَدِدْتُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يُفَارِقْنَا حَتَّى يَعْهَدَ إِلَيْنَا عَهْدًا: الجَدُّ، وَالكَلَالَةُ، وَأَبْوَابٌ مِنْ أَبْوَابِ الرِّبَا۔ (بخاری: کتاب الاشربہ)

ترجمہ: میں چاہتا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جد (دادا)، کلالہ (جس کے نہ باپ ہو اور نہ بیٹا) کی میراث اور ربا کی بعض دوسری قسموں کو واضح فرمادیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ چھ چیزوں کے علاوہ دیگر چیزوں کا ربا (سود) ہونا واضح نہیں ہے، تو اس کے منکر ہونے کو یقین سے نہیں کہا جاسکتا، ایسے اختلافی مسائل کی ممانعت سختی کے ساتھ لازم نہیں۔

اخیر میں یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر وہی کرے جو اس شئے کو اچھی طرح جانتا ہو جس شئے کا وہ حکم دے رہا ہے یا جس شئے سے وہ منع کررہا ہے، مثلاً: نماز اور روزے کا حکم دینا اور شراب وزنا سے منع کرنا ہے تو یہ ہر مسلمان پر واجب ہے، لیکن اگر باریک اور فروعی مسائل ہیں تو صرف علمائے ربانی ہی ان مسائل میں حکم دینے اور روکنے کا حق رکھتے ہیں، کیونکہ وہ مذاہب کے اختلاف کو سمجھتے ہیں، مخاطب کے مزاج سے واقف ہیں اور کون سا حکم نافذ ہونے کے لائق ہے یا کون سا نہیں، اس کا بھی بخوبی علم رکھتے ہیں۔

☆☆☆

جہاں گیر حسن مصباحی

رزق کے اسباب

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ قَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِیْۤ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ...۶۰ (غافر)

ترجمہ: اور تمہارا رب فرماتا ہے کہ مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔

رزق کے اسباب میں ایک سبب یہ بھی ہے:

۴۔ اللہ سے دعا کرنا

یعنی رزق میں برکت اور خوشحالی کے لیے دعا کرنا کیونکہ اللہ تعالیٰ رزق دینے والا ہے اور ساتھ ہی اپنے بندوں کی دعا قبول بھی فرماتا ہے اور اس کے لیے اللہ کی بارگاہ میں مختلف طریقوں سے دعا مانگی جا سکتی ہے، جیسے:

اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ ۱۱۴ (مائدہ)

ترجمہ: یااللہ! مجھے رزق عطا فرما کیونکہ تو بہترین رزق دینے والا ہے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ رِزْقًا طَیِّبًا وَاسِعًا۔ (معجم کبیر، باب پنجم)

ترجمہ: یااللہ! میں تجھ سے حلال کشادہ رزق کا سوال کرتا ہوں۔

اَللّٰهُمَّ قَنِّعْنِیْ بِمَا رَزَقْتَنِیْ وَبَارِكْ لِیْ فِیْهِ۔

(شعب الایمان، فضیلۃ الحجر الاسود)

ترجمہ: یااللہ! جو کچھ رزق تو نے عطا فرمایا ہے مجھے اس پر قناعت کرنے والا بنا دے اور اس میں برکت عطا فرما۔

لیکن دعا اسی شخص کی قبول ہوتی ہے جو معصیت میں مبتلا نہ ہو، جیسے: ترک واجب، حرام کام، حرام کھانا وغیرہ۔

۵۔ حمد و شکر بجا لانا

یعنی اللہ تعالیٰ کی تعریف بیان کرنا اور اس کی جانب سے رزق و نعمت ملنے پر شکر ادا کرنا، کیونکہ اس سے بھی رزق میں کشادگی اور برکت ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ اِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَىٕنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّكُمْ وَ لَىٕنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِیْ لَشَدِیْدٌ ۷ (ابراہیم)

ترجمہ: اور یاد کرو جب تمہارے رب نے یہ اعلان فرما دیا کہ اگر شکر ادا کرو گے تو میں تمھیں اور دوں گا اور اگر ناشکری کرو گے تو میرا عذاب سخت ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ شکر سے نعمت و رزق میں اضافہ ہوتا ہے۔ شکر کی اصل یہ ہے کہ آدمی نعمت کا تصوّر اور اس کا اظہار کرے اور شکر کی حقیقت یہ ہے کہ اس نعمت کی تعظیم کے ساتھ اس کا اعتراف بھی کرے اور نفس کو اس کا عادی بنائے۔

شکر کا ایک بہترین طریقہ یہ بھی ہے کہ اللہ نے جو کچھ نعمتیں دی ہیں ان کا استعمال اسلامی طریقے پر کیا جائے، مثلاً: زبان، پس اس کو صرف اللہ کی رضا کے لیے استعمال کیا جائے اور اسی پر دوسری نعمتوں کو قیاس کیا جا سکتا ہے۔

یہاں ایک بات غور کرنے کی یہ ہے کہ بندہ جب اللہ کی نعمتوں اور اس کے مختلف فضل و کرم اور احسان کو دیکھتا ہے تو اس کے شکر میں مشغول ہوتا ہے، اس سے نعمتوں میں اضافہ ہوتا ہے اور بندے کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت بڑھتی ہے اور پختہ ہوتی چلی جاتی ہے، یہ مقام بہت برتر ہے اور اس سے بھی اعلیٰ مقام یہ ہے کہ نعمت دینے والے (اللہ) کی محبت یہاں تک غالب ہو جائے کہ نعمتوں کی طرف قلب کا التفات باقی نہ رہے، یہ صدیقوں کا مقام ہے۔

۶۔ صلہ رحمی

صلہ رحمی ایک ایسا انسانی جذبہ ہے جو دوست تو دوست،

دشمن کو بھی نرم کر دیتا ہے، صلہ رحمی نہ صرف معاشرتی اعتبار سے پسندیدہ عمل ہے بلکہ دینی اعتبار سے بھی محبوب عمل ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ صلہ رحمی کرنے کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ وَ الْمِسْكِیْنَ وَ ابْنَ السَّبِیْلِ ذٰلِكَ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ وَ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴿۳۸﴾ (روم)

ترجمہ: رشتہ دار، مسکین اور مسافر کو اُن کا حق دو، جو اللہ تعالیٰ کی رضا چاہتے ہیں اُن کے لیے یہ بہتر ہے اور وہی کامیاب ہیں۔

اس آیت میں فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ کا مطلب ہے قریبی رشتہ داروں کو اُن کا حق دینا، ان کے ساتھ حسن سلوک اور احسان کرنا، مسکین یعنی مانگنے والوں کو صدقات وعطیات دینا، ابن سبیل یعنی مسافر کے ساتھ حسن سلوک کرنا اور اس کی مہمان نوازی کرنا، یہ سب اعمال اگر اللہ کی رضا کے لیے کیے جائیں تو صلہ رحمی ہے اور ایسا کرنے سے اللہ کی رضا حاصل ہونے کے ساتھ ساتھ رزق میں خوشحالی بھی آتی ہے، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مَنْ سَرَّهٗ أَنْ يُبْسَطَ لَهٗ فِي رِزْقِهٖ، وَأَنْ يُنْسَأَ لَهٗ فِي أَثَرِهٖ فَلْيَصِلْ رَحِمَهٗ۔ (بخاری: البسط فی الرزق)

ترجمہ: جس شخص کو یہ بات پسند ہے کہ اُس کا رزق کشادہ ہو اور اُس کا اثر باقی رہے تو وہ صلہ رحمی کرے۔

۷۔ انفاق فی سبیل اللہ

اس کا مطلب ہے اللہ کی راہ میں خرچ کرنا، اب چاہے یہ خرچ کرنا زکوۃ وصدقات نافلہ کے طور پر ہو یا قرض حسن کے طور پر دونوں صورتیں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند ہیں۔ چنانچہ جو شخص ان دونوں اعتبار سے اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے، اس کے رزق میں برکت بھی ہوتی ہے اور اللہ اُسے بہترین رزق بھی عطا فرماتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَ یَقْدِرُ لَهٗ وَ مَاۤ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَهُوَ یُخْلِفُهٗ وَ هُوَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ﴿۳۹﴾ (سبا)

ترجمہ: آپ فرما دیجئے بے شک میرا رب اپنے بندوں میں جس کے لیے چاہتا ہے رزق کو کشادہ فرما دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ فرما دیتا ہے اور جو چیز تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو اس کے بدلے اللہ اور دے گا اور وہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔

سورۂ بقرہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗۤ اَضْعَافًا كَثِیْرَةً وَ اللّٰهُ یَقْبِضُ وَ یَبْصُۜطُ وَ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ﴿۲۴۵﴾

ترجمہ: وہ کون شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کو قرضِ حسن دے، تا کہ اللہ تعالیٰ اُسے کئی گنا بڑھا کر عطا کرے، مال کا گھٹانا اور بڑھانا سب اللہ ہی کے اختیار میں ہے اور اسی کی طرف تمھیں پلٹ کر جانا ہے۔

اس آیت کریمہ میں قرضِ حسن سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا، غریبوں اور محتاجوں کی مدد کرنا، یتیموں اور بیواؤں کی کفالت کرنا، جو قرض دار ہیں ان کے قرضوں کی ادائیگی کرنا، نیز اپنے بال بچوں پر خرچ کرنا وغیرہ۔

اسی طرح قرضِ حسن کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ کسی شخص کو اس نیت کے ساتھ قرض دینا کہ اگر وہ اپنی پریشانیوں کی وجہ سے واپس نہ کر سکا تو وہ قرض دینے والا اس شخص سے اپنے قرض کا مطالبہ نہیں کرے گا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: إِنَّ اللّٰهَ قَالَ لِي: أَنْفِقْ أُنْفِقْ عَلَيْكَ۔ (مسلم، باب النفقہ)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا کہ خرچ کرو میں تم پر خرچ کروں گا۔

۸۔ کثرت استغفار: یعنی زیادہ سے زیادہ استغفار کرنا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَأَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّيُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ ۭ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيْرٍ ۝۳ (ہود)

ترجمہ: اور یہ کہ اپنے رب سے معافی مانگو پھر اس کی بارگاہ میں توبہ کرو تمھیں اچھی نعمت دے گا ایک متعین مدت تک اور ہر فضل واحسان والے کو اُس کے فضل وکرم کا بدلہ دے گا اور اگر تم منھ پھیرو گے تو میں تم پر بڑے دن (قیامت) کے عذاب کا خوف کرتا ہوں۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں ''متاعاً حسناً'' سے مراد لمبی عمر، رزق میں زیادتی اور عیش و آرام ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کی بارگاہ میں دل سے توبہ کرنے اور استغفار کرنے سے رزق بڑھتا ہے، عمر میں برکت ہوتی ہے اور دنیا وآخرت میں اللہ تعالیٰ توبہ واستغفار کرنے والوں کے لیے راحت وسکون کا سامان مہیا فرماتا ہے۔

ایک دوسری آیت ہے جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۝۱۰ يُّرْسِلِ السَّمَاۗءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۝۱۱ وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ۝۱۲ (نوح)

ترجمہ: اپنے رب سے معافی مانگو، بے شک وہ بڑا معاف فرمانے والا ہے۔ وہ تم پر زور کی بارش برسائے گا، مال اور اولاد نرینہ سے تمہاری مدد کرے گا اور تم کو باغ عطا کرے گا اور تمہارے لیے نہریں جاری کرے گا۔

حضرت ربیع بن صبیح رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک شخص حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور اس نے بارش کی کمی کی شکایت کی، حسن بصری نے اُسے استغفار کا حکم دیا۔ دوسرا شخص آیا، اُس نے تنگ دستی کی شکایت کی، اُسے بھی استغفار کا حکم دیا۔ تیسرا شخص آیا، اس نے اولاد کی کمی کی شکایت کی، اُسے بھی استغفار کا حکم دیا، پھر چوتھا شخص آیا، اس نے اپنی زمین کی پیداوار میں کمی اور خشک سالی کی شکایت کی، اُسے بھی استغفار کا حکم دیا۔ ربیع بن صبیح رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نے حسن بصری سے کہا: آپ کے پاس چند لوگ آئے اور اُنھوں نے طرح طرح کی حاجتیں پیش کیں، آپ نے سب کو ایک ہی جواب دیا کہ: استغفار کرو، اس پر حسن بصری نے کہا: میں نے اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کہی، بلکہ قرآن کریم کی ان آیات کی روشنی میں استغفار کا حکم دیا ہے کہ:

اِسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا، يُّرْسِلِ السَّمَاۗءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا، وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا۔ (خزائن العرفان، تفسیر زیر آیت مذکور)

حضرت جعفر بن محمد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: جب تم رزق میں تنگی پاؤ تو زیادہ سے زیادہ استغفار کرو (تاکہ اللہ تمہارا رزق کشادہ فرمادے)۔ (حلیۃ الاولیا، ج: ۳، ص: ۱۹۳)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

مَنْ أَكْثَرَ مِنَ الاسْتِغْفَارِ، جَعَلَ اللهُ لَهُ مِنْ كُلِّ هَمٍّ فَرَجًا، وَمِنْ كُلِّ ضِيقٍ مَخْرَجًا، وَرَزَقَهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ۔ (مسند احمد، عبداللہ ابن عباس)

ترجمہ: جو شخص زیادہ استغفار کرتا ہے اللہ اُسے ہر غم سے نجات اور ہر تنگی سے خوشحالی عطا فرماتا ہے اور اُسے ایسی جگہ سے رزق دیتا ہے جس کا اُسے وہم وگمان بھی نہیں ہوتا۔

✲✲✲

اشتیاق عالم مصباحی

تحقیق کے بغیر کچھ کہنا عقلمندی نہیں

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۭ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰۗىِٕكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔــوْلًا ۝۳۶ (اسرا)

ترجمہ: اور جس کا تمھیں علم نہیں اس کے پیچھے مت پڑو، بے شک کان، آنکھ، دل ہر ایک کے بارے میں سوال ہوگا۔

آنکھ، کان اور دل اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں میں عظیم نعمت ہے، جس کے ذریعے انسان معلومات حاصل کرتا رہتا ہے، اللہ تعالیٰ نے ان نعمتوں کے تذکرے کے بعد بندوں سے شکر کا مطالبہ کیا ہے، فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝۷۸ (نحل)

ترجمہ: اور اللہ نے تمہارے لیے کان، آنکھ اور قلب بنائے تاکہ تم شکر ادا کرو۔

دنیا کی تمام چیزوں کو دو حصوں میں بانٹا جا سکتا ہے:

۱۔ محسوس یعنی جس کا علم سن کر، دیکھ کر، چکھ کر، سونگھ کر اور چھو کر ہو سکتا ہو۔

۲۔ غیر محسوس جس کا علم حواس ظاہری (کان، آنکھ وغیرہ) سے نہ ہو۔

محسوسات کے علم کا سب سے بڑا ذریعہ کان اور آنکھ ہے اور غیر محسوس یعنی جس کا صرف خیال اور تصور کیا جا سکتا ہے اس کا علم قلب سے ہوا کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے عقلی اور نقلی، حسی اور غیر حسی دونوں چیزوں کے آلۂ ادراک سے ہمیں نواز کر شکر ادا کرنے کا حکم دیا ہے، ہم ان نعمتوں کا شکر کیسے ادا کریں؟ اس کی وضاحت سے پہلے آپ آیت مقدسہ میں مذکور ان تین نعمتوں پر نظر ڈالیں اور ان کی ترتیب پر غور کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ کان سے علم تو حاصل ہوتا ہے مگر اس کا وہ مقام نہیں جو دیکھنے سے حاصل ہوتا ہے، پھر قلب سے جو یقین حاصل ہوتا ہے وہ محض نظر سے حاصل نہیں ہوتا، مثلاً: ایک شخص جو کسی چوراہے پر مجمع لگا کر تماشا دکھائے، کبھی لڑکا کو لڑکی اور لڑکی کو لڑکا بنائے، کبھی خالی ڈبے سے گرم گرم جلیبی اور نوٹوں کی گڈی نکالے تو آپ بار بار اس تماشا گر کو دیکھیں گے لیکن دل اس کا اثر قبول نہیں کرے گا۔

اب آپ چاہیں تو معلوم بالسمع کو علم الیقین، معلوم بالبصر کو عین الیقین اور معلوم بالقلب کو حق الیقین کا نام دے سکتے ہیں۔ جس شئے کا علم آپ کو سننے سے ہو تو بہتر یہ ہے کہ مخبر بہ (جس کے بارے میں خبر دی جائے) اگر وہ موجود ہے تو آپ علم الیقین کے بجائے عین الیقین حاصل کرنے کی کوشش کریں اور خود جا کر حقیقت کا مشاہدہ کریں، محض سن کر اپنی رائے پیش کرنا عقلمندوں کا کام نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِبًا أَنْ يُحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ۔

(مسلم، نہی عن الحدیث)

ترجمہ: انسان کے جھوٹے ہونے کے لیے بس اتنا ہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات کو بیان کر دے۔

اگر عین الیقین حاصل ہو جائے تو پھر حق الیقین کی ہمیں کوشش کرنی چاہیے اور یہ بھی یاد رکھیں کہ سماع، علم و عمل کے قابل اسی وقت ہوگا جب مخبر (خبر دینے والا) صادق و امین ہو اور مخبر صادق و امین اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ حقیقت واقعہ کا خوب اچھی طرح مشاہدہ نہ کر لے، گویا سماعت بصارت پر اور بصارت بصیرت پر موقوف ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

لَا تُصَدِّقُوا أَهْلَ الْكِتَابِ وَلَا تُكَذِّبُوهُمْ۔

(بخاری، سورۂ بقرہ)

ترجمہ: اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو اور نہ اُنھیں جھٹلاؤ۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل کتاب کا فتویٰ اسی وقت قابل عمل ہوگا جب کہ اس کی صحت وصداقت کا یقین کامل ہو جائے۔

لیکن آج حالات کچھ الگ ہیں، ہر سنی سنائی باتوں پر ہم نے آنکھ بند کر کے یقین کر رکھا ہے اور جس کا علم دلیل قطعی سے ثابت ہے، مثلاً: اللہ کا موجود ہونا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شاہد اور بشیر ونذیر ہونا، قرآن کا کلام اللہ ہونا، مرنے کے بعد روز حساب کے لیے دوبارہ زندہ ہونا وغیرہ، اس سے اپنے آپ کو ہم نے الگ کر لیا ہے، اس کے برخلاف جس چیز کے بارے میں نہ قطعی علم ہے اور نہ اس کے متعلق قطعیت کا حکم لگایا جا سکتا ہے، ہم اس کے ٹوہ میں پڑے ہوئے ہیں اور اس وہمی شئے کی ترویج وتشہیر اپنا عملی فریضہ جانتے ہیں۔

جب کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ ﴿۱۲﴾ (حجرات)

ترجمہ: اے ایمان والو! زیادہ گمان سے بچو، کیوں کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔

دوسرے مقام پر ارشاد فرماتا ہے:

هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ ...﴿۱۴۸﴾ (انعام)

ترجمہ: تمہارے پاس اگر کوئی دلیل ہے تو اُسے ظاہر کرو؟ واقعی تم صرف گمان کے پیچھے بھاگتے ہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ، فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ۔

(بخاری، تعلیم الفرائض)

گمان سے بچو، کیوں کہ گمان حد درجہ جھوٹی بات ہوتی ہے۔

مذکورہ آیات واحادیث سے یہ واضح ہو گیا کہ خبر پر حکم لگانے سے پہلے اس کی تحقیق ضروری ہے، تاکہ خبر کی صحت میں ذرہ برابر شک نہ رہے۔ قرآن مقدس میں بھی اس بات کی جانب اشارہ کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا ﴿۶﴾ (حجرات)

ترجمہ: اے ایمان والو! اگر فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو اُسے خوب جانچ لو۔

حضرت عامر بن عبدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ الشَّيْطَانَ لَيَتَمَثَّلُ فِي صُورَةِ الرَّجُلِ، فَيَأْتِي الْقَوْمَ، فَيُحَدِّثُهُمْ بِالْحَدِيثِ مِنَ الْكَذِبِ، فَيَتَفَرَّقُونَ،

فَيَقُولُ الرَّجُلُ مِنْهُمْ : سَمِعْتُ رَجُلًا أَعْرِفُ وَجْهَهُ وَلَا أَدْرِي مَا اسْمُهُ يُحَدِّثُ. (مسلم، روایۃ الضعفا)

ترجمہ: بے شک شیطان انسان کی شکل میں لوگوں کے پاس آتا ہے اور ان کے ساتھ من گڑھت باتیں کرتا ہے، پھر لوگ ایک دوسرے سے الگ ہوجاتے ہیں، چنانچہ ان میں ایک شخص کہتا ہے کہ یہ بات میں نے اپنے پہچان والے سے سنی ہے لیکن جس نے مجھے یہ بات بتائی ہے اس کا نام مجھے معلوم نہیں ہے۔

سنی سنائی باتوں پر اعتماد کا انجام

آج حالات اس قدر بگڑ چکے ہیں کہ محض سن کر کفر تک کا فیصلہ سنا دیا جاتا ہے۔ (الا ماشاء اللہ) جب کہ فتویٰ کی بنیاد تحقیقی اور یقینی علم پر ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

إِنَّ اللهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ انْتِزَاعًا يَنْتَزِعُهُ مِنَ النَّاسِ وَلَكِنْ يَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ فَإِذَا لَمْ يَبْقَ عَالِمٌ اِتَّخَذَ النَّاسُ رُؤُوسًا جُهَّالًا فَسُئِلُوا فَأَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوا وَأَضَلُّوا۔ (ابن ماجہ، اجتناب الرائے والقیاس)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ علما کو اٹھا کر علم ختم کر دے گا جب کوئی عالم باقی نہ ہوگا تو لوگ جاہل سرداروں کی پناہ لیں گے ان سے مسئلہ پوچھا جائے گا تو بغیر علم کے وہ جاہل سردار فتویٰ دے کر خود گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

اکثر دیکھا گیا ہے کہ سنی سنائی باتوں پر اعتماد کر لینے سے شرمندگی کے سوا کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا، دوست واحباب میں اختلاف، باپ بیٹے میں تفریق (جدائی) اور ساس بہو کا جھگڑا، یہ سب محض سنی ہوئی بات پر یقین کر لینے کا نتیجہ ہے۔ ایک خالی اور صاف وشفاف ذہن والا شخص محض سن کر بدگمان ہوجاتا ہے اور اپنے دل میں کینہ، بغض اور عداوت جیسی بے شمار بیماریوں کو پیدا کر لیتا ہے۔

نعمتوں کا شکر کیسے ادا کریں؟

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بندوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ: کل قیامت میں تم سے آنکھ، کان اور دل کے بارے میں سوال ہوگا کہ ان کا استعمال تم نے کس طرح کیا ہے؟ کیا ان نعمتوں کو اللہ تعالیٰ کی رضا، اس کی طاعت اور اس کی حلال کردہ چیزوں میں لگایا؟ یا اس کی ناراضگی، معصیت اور حرام کاریوں میں لگایا؟ اگر ہم نے تھوڑا سا بھی جھوٹ سے کام لیا تو اللہ تبارک وتعالیٰ ہمارے منھ پر مہر لگا دے گا اور خود ہمارے اعضا ہمارے خلاف گواہی دیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَ أَبْصَارُهُمْ وَ جُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۰﴾ (فصلت)

ترجمہ: ان کی سماعت (کان)، بصارت (آنکھ) اور ان کے جلد (بدن کے چمڑے) خود اُن کے خلاف ان کے عمل کی گواہی دیں گے۔

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

فَمَا أَغْنٰى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَا أَبْصَارُهُمْ وَلَا أَفْئِدَتُهُمْ مِّنْ شَيْءٍ ﴿۲۶﴾ (احقاف)

ترجمہ: ان کے کان، آنکھ اور دل نے انھیں کچھ بھی فائدہ نہ پہنچایا۔

اس لیے ہمیں چاہیے کہ کان وعظ ونصیحت سننے میں، آنکھ آیات الٰہیہ اور قدرت کے دلائل دیکھنے میں اور دل اللہ کی معرفت حاصل کرنے میں لگائیں، ورنہ کل قیامت میں یہی اعضا ہمارے لیے وبال جان بن جائیں گے۔

٭٭٭

امام الدین سعیدی

تزکیہ کے لیے شیخ کی ضرورت

قرآن مقدس میں انبیا و مرسلین کے لیے جن فرائض کو بیان کیا گیا ہے ان میں ایک فریضہ تزکیہ بھی ہے، جیسا کہ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِكَ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ یُزَكِّیْهِمْ ﴿۱۲۹﴾ (بقرہ)

ترجمہ: (انبیا و مرسلین) لوگوں کے سامنے اللہ کی آیتوں کی تلاوت کرتے ہیں اور انھیں کتاب وحکمت کی باتیں بتاتے ہیں اور ان کا تزکیہ کرتے ہیں۔

واضح رہے کہ تزکیہ ہر مومن کی لازمی ضرورت ہے جس کے بغیر وہ کسی صلاح وفلاح کی امید نہیں کرسکتا۔

اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ﴿۱۴﴾ (اعلیٰ)

ترجمہ: جس نے اپنے آپ کو پاک صاف کرلیا وہی کامیاب ہوا۔

جنت میں دخول کا ذریعہ بھی تزکیہ ہی ہے، ارشاد ربانی ہے: ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰى ﴿۷۶﴾ (طہ)

ترجمہ: جنت اس شخص کے لیے ہے جو اپنا تزکیہ کرے۔

اس حقیقت کی وضاحت کے بعد بھی اگر کوئی شخص اپنے تعلق سے اس خوش فہمی میں مبتلا رہے کہ ہمیں تزکیہ و اصلاح کی ضرورت نہیں ہے تو درحقیقت وہ شخص نفس وشیطان کی پیروی کررہا ہے۔

تزکیہ کیسے حاصل کریں؟

تزکیہ دراصل ایک مسلسل عمل ہے، یہ کوئی وقتی کورس نہیں، بلکہ یہ عمل موت تک جاری رہتا ہے۔ جس طرح جسم کو طاقت و قوت پہنچانے کے لیے اور باقی رکھنے لیے آخری سانس تک اُسے خوراک پہنچائی جاتی ہے، اسی طرح روح کی حیات اور اس کی ترقی کے لیے آخری سانس تک تزکیہ کا عمل جاری رکھا جاتا ہے، کیونکہ اسی سے انسان کے اندر ایسی شخصیت پیدا ہوتی جس کا قلب محبت الٰہی کے سوا ہر محبت سے خالی رہتا ہے، جس کا ہر عمل اللہ کی رضا کے مطابق ہوتا ہے۔

خود انبیائے کرام کی بعثت کا مقصد بھی یہی تھا کہ انسان کو اَسْفَلُ السَّافِلِیْن (علائق دنیوی) کی تاریک وادی سے نکال کر قرب الٰہی کے نورانی مقام پر فائز کیا جائے۔

تزکیہ کے لیے جن اعمال واشغال کو ذریعہ بنایا جاتا ہے، ان میں بنیادی اور عملی شرط یہ ہے کہ اپنے دور میں کسی مرشد کامل کو تلاش کیا جائے اور بلا شرط اس کو تسلیم کرکے اس کی صحبت وتربیت سے استفادہ کیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اب یہ ذمہ داری صالحین امت میں مشائخ کرام قدست اسرارہم کے حصے میں آگئی ہے، کیونکہ یہی ہستیاں ان کے حقیقی نائبین اور وارثین ہیں، اس لیے تزکیہ کی راہ میں ان کی ضرورت واہمیت مسلم ہے۔

ہم میں سے بعض لوگ یہ سوچتے ہیں کہ ہمیں کسی شیخ کی ضرورت نہیں، ہمارے لیے ہمارا علم وعمل ہی کافی ہے، ذکر و اذکار اور تقویٰ وطہارت ہی دراصل حصول تزکیہ کے لیے کامل نسخہ ہے تو ایسے لوگ بلاشبہ غلط فہمی اور فاسد خیال کے شکار ہیں اور معنوی طور سے ان کے اندر خارجیت کی خوبو موجود ہے۔

دوسری جانب بعض لوگ تزکیہ کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے کسی شیخ سے بیعت تو ہوجاتے ہیں مگر شیخ کی صحبت اور اس کی تربیت کو غیر ضروری سمجھتے ہیں اور وہ بس دور ہی سے روحانی استفادہ کے قائل رہتے ہیں اور شیخ کے وجود جسمانی سے استفادے کو اہمیت نہیں دیتے یا پھر موجودہ دور میں موبائل فون یا ای میل جیسے الیکٹرانک ذرائع سے شیخ سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں، ان کے پاس جانا اور اُن کی صحبت میں بیٹھنا غیر ضروری سمجھتے ہیں یا وفات یافتہ بزرگوں سے عقیدت ومحبت رکھنے کو ہی کافی سمجھتے ہیں ،ایسے لوگ کہیں نہ کہیں لاشعوری طور پر رافضیت یا اشراقیت کی زد میں ہیں۔

قرآن سے ثبوت

ا۔اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَ کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ﴿۱۱۹﴾(توبہ)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور صادقین کی صحبت اختیار کرو۔

اس میں ایمان وتقویٰ کے بعد سچوں کی صحبت وسنگت میں رہنے کا حکم دیا گیا ہے، اگر کسی مرد صادق کی ضرورت اور اس کی صحبت ہمارے لیے غیر ضروری ہوتی تو اللہ تعالیٰ ایسے عبث اور بیکار کام کا حکم نہ دیتا۔

اس آیت سے اس خیال کی بھی تردید ہوجاتی ہے کہ اہل علم کے لیے اُن کا علم کافی ہے، اس لیے کہ ایمان وتقویٰ کی جانکاری کتابوں کے درس اور مطالعے سے تو حاصل ہوجاتی ہے مگر اُس کی روح جسے حدیث میں احسان کہا گیا ہے وہ کسی صاحب احسان ہی سے حاصل ہوسکتی ہے اور یہ بات سبھی جانتے ہیں کہ روح کے بغیر جسم کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوتی، ایسے ہی جو روح ایمان وتقویٰ اور احسان سے خالی ہو وہ مفید نہیں۔

۲۔وَ اتَّبِعْ سَبِیْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ...﴿۱۵﴾(لقمان)

اس کے راستے کی پیروی کرو جو میری طرف لولگائے۔

اس آیت کی تفسیر میں امام ثعالبی فرماتے ہیں:

وَقَوْلُهٗ سُبْحَانَهٗ تَعَالٰی: "وَّ اتَّبِعْ سَبِیْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ" وَصِیَّۃٌ لِجَمِیْعِ الْعَالَمِ وَهٰذِهٖ سَبِیْلُ الْاَنْبِیَاءِ وَالصَّالِحِیْنَ۔ (تفسیر ثعالبی، ج۳:ص:۲۰۸)

ترجمہ: اللہ کا یہ فرمان وَّ اتَّبِعْ سَبِیْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ تمام عالم کے لیے وصیت ہے اور یہ انبیا وصالحین کا راستہ ہے۔

امام نسفی فرماتے ہیں: اَیْ سَبِیْلَ الْمُؤْمِنِیْنَ فِیْ دِیْنِكَ۔

یعنی دین میں مومنوں کے طریقے کی پیروی کرو۔

۳۔یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَ ابْتَغُوْٓا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَۃَ...﴿۳۵﴾(مائدہ)(اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس تک پہنچنے کے لیے وسیلہ تلاش کرو۔)

مفسرین کرام وسیلہ کی تعریف میں لکھتے ہیں:

وَالْوَسِیْلَۃُ هِیَ الَّتِیْ یُتَوَصَّلُ بِهَا إِلٰی تَحْصِیْلِ الْمَقْصُوْدِ۔

ترجمہ: اور وسیلہ وہ ہے جس سے مقصود تک پہنچنے میں سہارا لیا جائے۔

۴۔امام رازی أَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اللہ تبارک وتعالیٰ نے صرف إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ صِرَاطَ الَّذِیْنَ أَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ بھی فرمایا جو اِس بات کی دلیل ہے کہ مرید کشف وہدایت کے درجات تک اس وقت تک نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ وہ کسی ایسے شیخ کی رہنمائی حاصل نہ کرلے جو اُسے راہ حق کی ہدایت دے، نیز گمراہی اور غلط روی سے بچائے۔ (تفسیر کبیر)

مذکورہ آیات وتفاسیر میں صادقین، سبیل اور وسیلہ سے مراد مشائخ طریقت اور اہل اللہ بھی ہیں، بلکہ یہی ہستیاں

بہترین مصداق ہیں۔

احادیث سے ثبوت

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

۱۔ جس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے اس دن وہاں کی ہر چیز روشن ہوگئی اور جس دن آپ کی وفات ہوئی تو اس دن ہر چیز پر تاریکی چھا گئی، ابھی ہم آپ کی تدفین کے بعد ہاتھ سے مٹی بھی نہیں جھاڑ پائے تھے کہ ہم نے اپنے دلوں میں تبدیلی محسوس کی۔

(ترمذی، کتاب المناقب)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جیسی مقدس ہستیوں کے قلوب پر صحبت اس قدر اثر انداز ہوسکتی ہے جو براہ راست مشکاۃ نبوت سے فیض حاصل کیا کرتے تھے تو ہم جیسے پراگندہ قلوب والوں کے لیے صحبت کی کس قدر ضرورت ہوسکتی ہے، یہ ہم اچھی طرح اندازہ کر سکتے ہیں۔

۲۔ ایک بار حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ یہ کہتے ہوئے جا رہے تھے کہ: نافق حنظلة، یعنی حنظلہ منافق ہوگیا۔

راستے میں حضرت ابوبکر سے ملاقات ہوگئی، آپ نے حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ سے اس کی وجہ پوچھی تو انھوں نے آپ کو بتایا کہ:

جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں ہوتے ہیں اور اُن سے جنت و دوزخ کی باتیں سنتے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہم جنت و دوزخ کو دیکھ رہے ہیں مگر جب ہم گھر میں اہل و عیال اور دنیاوی کام میں مشغول ہوجاتے ہیں تو یہ کیفیت قائم نہیں رہ پاتی اسی لیے میں ایسا کہہ رہا ہوں۔

یہ سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اے حنظلہ! یہی حال میرا بھی ہے۔

چنانچہ وہ دونوں اس مسئلے کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچے اور اپنی اپنی حالت بیان کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اس ذات کی قسم! جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، اگر تمہاری یہ حالت ہمیشہ کے لیے ہو جائے تو فرشتے تم سے بستر پر مصافحہ کرنے کے لیے پہنچ جائیں۔

(مسلم، کتاب التوبہ)

فیضان صحبت سے حاصل ہونے والے احوال اور اس صحبت سے دوری کے بعد ان احوال میں تبدیلی کی اس سے بہتر مثال اور کیا ہوسکتی ہے؟

۳۔ ایک صحابی کو نظر لگ گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اَلْعَيْنُ حَقٌّ۔ (بخاری، باب العین)

یعنی نظر کا لگنا ثابت ہے۔

جب برے لوگوں کی بری نظر اپنا برا اثر دوسروں پر چھوڑ سکتی ہے تو کسی باکمال شخص کی نظر اثر سے کیسے خالی ہوسکتی ہے: ؎

کہاں تک رنج تسبیح و تلاوت واعظ ناداں
نظر کی چوٹ ہے وہ جس سے دل غافل نہیں ہوتا

۴۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِذَا كُنْتُمْ ثَلَاثَةً فَأَمِّرُوْا عَلَيْكُمْ وَاحِدًا مِّنْكُمْ۔

(سنن بیہقی، الامیر فی السفر)

ترجمہ: جب تم سفر میں تین لوگ ہو تو اُن میں سے ایک کو اپنا امیر بنالو۔

جب دنیاوی سفر میں امیر کی ضرورت ہوسکتی ہے تو طلب مولیٰ کے سفر میں اس کی ضرورت کیوں نہیں ہوگی۔

مولائے روم فرماتے ہیں: ؎

بے رفیقے ہرکہ شد در راہ عشق
عمر بگذشت و نہ شد آگاہ عشق

یعنی جو شخص کسی رفیق کے بغیر عشق کی راہ چلا، اس کی ساری عمر راہ عشق میں گزر گئی مگر وہ رازِ عشق سے آگاہ نہ ہوا۔

عقل اور فطرت سے ثبوت

ا۔نفس انسانی ایک بچہ کی طرح ہے جسے اچھے برے کی کوئی تمیز نہیں ۔جس طرح بچے کا اگر کوئی نگراں نہ ہو تو وہ غلاظت وگندگی بھی کھالے گا ہر انسان کا نفس بھی اسی طرح ہے، اگر اس کا تزکیہ واصلاح کسی رہبر کامل کی نگرانی میں نہ کیا جائے تو وہ بھی حرام وحلال کی کوئی تمیز نہیں کرسکتا ہے اور صحبت شیخ اس لیے ضروری ہے کہ نفس کو پیر کامل کے علاوہ کوئی بھی قابو میں نہیں کرسکتا، جیسا کہ مولائے روم فرماتے ہیں:۔

نفس را ہیچ نہ کشد جز ظل پیر
دامن آں نفس کش را سخت گیر

ترجمہ: نفس کو پیر کے سایہ کے علاوہ کوئی نہیں مار سکتا اس نفس کش کے دامن کو مضبوطی سے تھام لو۔

۲۔دنیاوی امور میں ہر چھوٹے بڑے کام میں کسی نہ کسی استاذ کی ضرورت ہوتی ہے، یہاں تک کہ کرتے پہ بٹن لگانا ہو یہ بھی کسی نہ کسی ماہر درزی سے سیکھنا پڑتا ہے تو بھلا تعلق باللہ جو ہمارا حقیقی مقصود ومطلوب ہے، اس کو کسی مرشد کے بغیر کیسے حاصل کیا جاسکتا ہے۔

۳۔اگر اصحاب کہف کا کتا چند دنوں ان کی صحبت میں رہ کر جنتی ہوسکتا ہے تو انسان کے لیے بزرگوں کی صحبت کس قدر بابرکت اور مفید ہوگی؟؟

ان دلائل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ ہر شخص کے لیے شیخ کی صحبت اور نگرانی ضروری ہے، خواہ وہ علوم وفنون کا کتنا ہی بڑا عالم وفاضل کیوں نہ ہو۔

ہمارے مشائخ علما کا بھی یہی طریقہ رہا ہے کہ یکتائے روزگار عالم ہونے کے باوجود بزرگوں کی صحبت اختیار کی۔

مثال کے طور پر خود امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی صحبت میں رہنا، امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کا حضرت بشر حافی قدس اللہ سرہٗ کی خدمت میں وقت گزارنا، امام ربانی حضرت امام عبد الوہاب شعرانی علیہ الرحمہ کا ایک اُمّی بزرگ حضرت علی خواص قدس اللہ سرہٗ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہونا، مولانا روم جیسی شہرۂ آفاق علمی شخصیت کا بھی ایک اُمّی بزرگ حضرت شمس تبریز قدس اللہ سرہٗ کی غلامی پر ناز کرنا، ملّا نظام الدین فرنگی محلی جیسی قدآور شخصیت کا ایک اُمّی صوفی سید عبد الرزاق بانسوی قدس اللہ سرہٗ کی صحبت وخدمت سے فیض حاصل کرنا، یہ سب صحبت شیخ میں لازمی طور پر رہنے کی روشن مثالیں ہیں۔

تربیت شیخ کی ضرورت واہمیت واضح کرتے ہوئے مولانا روم فرماتے ہیں:۔

ہیچ چیزے خود بخود چیزے نہ شد
ہیچ آہن خنجرے تیزے نہ شد

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم
تا غلام شمس تبریزے نہ شد

مثنوی ''نغمات الاسرار فی مقامات الابرار'' میں صحبت شیخ کی ضرورت کچھ اس انداز سے بیان کی گئی ہے:۔

گر ہے تیرے پاس علم موسوی
جستجو کر پھر بھی خضر وقت کی

جا کسی درویش کامل کے حضور
خاک پہ رکھ دے جبین پر غرور

پوچھ پھر اس مرد دانا سے یہ راز
کس طرح ہوتی ہے مستوں کی نماز

☼☼☼

افتخار عالم سعیدی

عدل وانصاف

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ ...﴿۹۰﴾ (نحل)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے کا حکم دیتا ہے۔

انصاف کا لغوی معنی ہے دو حصوں میں برابر برابر تقسیم کرنا اور اصطلاح میں انصاف کا مطلب یہ ہے کہ تمام معاملات میں نہایت دیانت داری اور ایمانداری کے ساتھ پیش آنا۔

عدل وانصاف کی فضلیت

انصاف کرنے والوں سے نہ صرف اللہ تعالیٰ محبت فرماتا ہے بلکہ انھیں خصوصیت کے ساتھ جنت کی خوشخبری بھی دی گئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ﴿۹﴾ (حجرات)

اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے۔

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

هَلْ یَسْتَوِیْ هُوَ وَمَنْ یَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَهُوَ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ﴿۷۶﴾ (نحل)

ترجمہ: یہ (انصاف نہ کرنے والا) اور وہ جو سیدھے راستے پر قائم رہتے ہوئے انصاف کا حکم دیتا ہے برابر نہیں۔

اس آیت کریمہ سے یہ بات بھی واضح ہے کہ صرف انصاف کرنا ہی کافی نہیں ہے بلکہ انصاف کرنے کے ساتھ صراط مستقیم پر قائم رہنا بھی ضروری ہے، تبھی اُسے اللہ ورسول کی رضا اور خوشنودی حاصل ہوسکتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

اِنَّ الْمُقْسِطِیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلٰی مَنَابِرَ مِنْ نُوْرٍ عَنْ یَمِیْنِ الرَّحْمٰنِ۔ (سنن نسائی، فضل الحاکم العادل)

ترجمہ: بے شک انصاف کرنے والے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور کے بلند مقامات پہ ہوں گے۔

ایک صحابی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت حاضر ہوکر عرض کیا: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! أَخْبِرْنِیْ بِعَمَلٍ یُدْخِلُنِیْ الْجَنَّۃَ، قَالَ: قُلِ الْعَدْلَ۔ (سنن بیہقی، ما یجب علی المرء)

ترجمہ: یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ مجھے کوئی ایسا عمل بتائیں جو مجھے جنت میں داخل کردے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: انصاف کی بات کہو۔

انصاف سے روکنے والی چیزیں

انصاف کی باتیں کرنا تو آسان ہے لیکن انصاف کرنا بڑا مشکل عمل ہے کیوں کہ انصاف کے وقت کچھ ایسی رکاوٹیں کھڑی ہوجاتی ہیں جن کا مقابلہ کیے بغیر انصاف کی ذمے داری نبھانا آسان نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰۤی اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ اِنْ یَّكُنْ غَنِیًّا اَوْ فَقِیْرًا ...﴿۱۳۵﴾ (نسا)

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کی گواہی دیتے ہوئے انصاف پر قائم ہوجاؤ اگرچہ تمہارا اپنا نقصان ہو یا ماں باپ کا یا رشتہ دار کا، جن پر گواہی دو، خواہ وہ مالدار ہو یا فقیر۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ مندرجہ ذیل چیزیں انصاف کرنے سے روکتی ہیں:

۱۔ نفس ۲۔ والدین ۳۔ قریبی رشتہ دار

۴۔فقیر ۵۔امیر

اس لیے انصاف کرتے وقت اپنی خواہش کی اتباع نہ کر کے صرف اللہ تعالیٰ کے حکم کی اتباع کی جائے۔کبھی والدین کی محبت بھی ایک انسان کو انصاف کرنے سے روک دیتی ہے،اس لیے کہ معاملات میں والدین کی بے جا حمایت اور طرفداری کرنے کے بجائے اللہ کی رضا کو سامنے رکھنا چاہیے،تا کہ اللہ کے حکم کی خلاف ورزی نہ ہونے پائے۔کبھی انسان احباب واقارب کے بہکاوے میں آکر سچائی کی تہہ میں پہنچ نہیں پاتا اوران ہی کی بات کو سچ جان کر فیصلہ سنا دیتا ہے،اس سے پرہیز کرنا چاہیے اور جب تک حقیقت کی چھان بین صحیح طور سے نہ ہو جائے اس وقت تک کسی بھی طرح کے فیصلے کرنے سے بچنا چاہیے،تا کہ کسی کی حق تلفی نہ ہونے پائے، اسی طرح ایک انسان کے سامنے انصاف کرتے وقت امیری اور غریبی بھی رکاوٹ بن کر کھڑی ہو جاتی ہے۔کبھی مالدار کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے انصاف نہیں کر پاتا تو کبھی غریب کی بے کسی و مجبوری دیکھ غچہ کھا جاتا ہے اور اس کی ہمدردی میں آ کر کچھ ایسا کام کر جاتا ہے جو انصاف کے خلاف ہوتا ہے اور ایک انسان کو فائدہ پہنچانے کے لیے بے شمار لوگوں کو نقصان پہنچا دیتا ہے۔

نفس کے ساتھ انصاف

انصاف کی تعریف، اس کی فضیلت اوراس کے موانع جان لینے کے بعد یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ انصاف کن کن کے ساتھ کیا جائے جس سے اللہ کی رضا اور خوشنودی حاصل ہو، چنانچہ سب سے پہلے اپنے نفس سے انصاف کرنا چاہیے۔

نفس کے ساتھ انصاف کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اُسے احکام الٰہی کا پابند بنایا جائے،اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور غضب سے بچایا جائے،اگر نفس امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہیں کیا گیا تو یہ اس کے ساتھ ناانصافی اور اس کی حق تلفی ہوگی۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا...۞

ترجمہ: اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔

اگر نفس کے ساتھ انصاف نہیں ہوگا اور اُس کو احکام الٰہی کا پابند نہیں بنایا جائے گا تو وہ خواہشات کا غلام اور نافرمانی کا مریض ہو جائے گا،یعنی نفس کے اندر اس قدر برائیاں پیدا ہو جائیں گی کہ وہ حسد،بغض،کینہ،غیبت اور چغل خوری جیسی بیماریوں میں مبتلا ہو جائے گا اور یہی چیزیں آخرت میں اس کی ہلاکت وبربادی کا سبب بنیں گی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

إِنَّ لِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، وَلِرَبِّكَ عَلَيْكَ حَقًّا، وَلِضَيْفِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، وَإِنَّ لأَهْلِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، فَأَعْطِ كُلَّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ (سنن ترمذی،باب:۶۳)

ترجمہ: بے شک تمہارے اوپر تمہارے نفس،تمہارے رب،تمہارے مہمان اور تمہارے اہل وعیال کا حق ہے،اس لیے تم ہر حقدار کو اس کا حق ادا کرو۔

اس حدیث پاک میں نفس کا ذکر سب سے پہلے کیا گیا ہے جس سے ہم یہ معنی لے سکتے ہیں کہ بندہ کو سب سے پہلے اپنے نفس کی طرف متوجہ ہونا چاہیے اور اس کے ساتھ پورا پورا انصاف کرنا چاہیے۔

جسم وروح کے ساتھ انصاف

بنیادی طور پر دیکھیں تو انسان کا وجود دو چیزوں سے مرکب ہے: ۱۔جسم ۲۔روح

جسم کے ساتھ انصاف یہ ہے کہ وقت پر اس کو کھانا دیا جائے اور ہر طرح کی تکلیف اور ابدی جہنم سے اس کی حفاظت کی جائے۔

روح کے ساتھ انصاف یہ ہے کہ اس کو بھی ذکر کے ذریعے غذا فراہم کی جائے تاکہ روح کو اطمینان حاصل ہو اور دل کو سکون میسر آئے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

أَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ﴿۲۸﴾

ترجمہ: جان لو کہ اللہ کے ذکر ہی میں دلوں کا اطمینان ہے۔

جسم کو دن میں کم از کم تین مرتبہ غذا دیتے ہیں، اس کی صحت و تندرستی کے لیے پھل وغیرہ کھاتے ہیں، ورزش کرتے ہیں اور پاک وصاف رکھنے کے لیے نہاتے دھوتے بھی ہیں، اگر جسم بیمار ہو جائے تو کسی ماہر ڈاکٹر سے جانچ کرواتے ہیں، اگر کبھی جسم میں نقاہت و کمزوری آجائے تو اس کو دور کرنے کے لیے اُسے آرام دینے کے ساتھ طاقت ور غذا بھی استعمال کرتے ہیں۔

اب اندازہ کریں کہ کیا اسی طرح روح کے ساتھ بھی ہم انصاف کرتے ہیں اور اس کا پورا حق ادا کرتے ہیں؟

آج ہماری روح سخت بیمار ہے، نقاہت و کمزوری کی وجہ سے اس میں یہ بھی طاقت نہیں ہے کہ وہ واجبات و فرائض کی ادائیگی کر سکے، لیکن ہمیں اس کی کچھ خبر نہیں۔ جب کہ انسان کے وجود میں جسم سے زیادہ روح کی اہمیت ہے، کیوں کہ روح امیر ہے، اگر روح جسم سے جدا ہو جائے تو جسم کو مردہ مان لیا جاتا ہے اور لوگ اُسے منوں مٹی کے نیچے دفن کر دیتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں ہم یہ کہیں تو کسی کے لیے انکار کی گنجائش نہیں ہوگی کہ روح کے بغیر جسم کا کوئی تصور نہیں، اس لیے جسم سے کہیں زیادہ روح کا حق ادا کرنا چاہیے اور اس کے ساتھ ہر آن اور ہر لمحہ انصاف سے کام لینا چاہیے۔

چنانچہ روح کے ساتھ انصاف کرنے کا معنی یہ ہے کہ اس کو اخلاق رذیلہ اور گندی عادتوں سے دور رکھا جائے، اس میں اللہ کے سوا کسی کی یاد نہ آنے دی جائے، اگر کسی سے محبت ہو تو صرف اللہ کے لیے اور اگر کسی سے نفرت ہو تو صرف اللہ کے لیے، اللہ کے دوستوں سے دوستی اور اللہ کے دشمنوں سے دشمنی اور ہر مسلمان کی زندگی إِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴿۱۶۲﴾ (انعام) کا مصداق ہو، یعنی مسلمانوں کی نماز، ان کی قربانی، ان کا جینا اور ان کا مرنا سب کچھ اللہ ہی کے لیے ہو۔

اس آیت کی روشنی میں اپنا اپنا محاسبہ کریں کہ کیا واقعی ہم اپنی روح کے ساتھ انصاف کر رہے ہیں؟ کیا ہم ذکر الٰہی سے اپنی روح کو تسکین دیتے ہیں؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ چند روزہ دنیا میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے ہم اپنی روح کو پراگندہ اور بیمار کر رہے ہیں۔

عام مخلوق کے ساتھ انصاف

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ...﴿۵۸﴾ (نسا)

ترجمہ: جب تم لوگوں کے بیچ فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔

اس آیت کریمہ میں الناس کا لفظ آیا ہے جس میں تمام لوگ شامل ہیں، چاہے وہ ہندو مسلم ہوں یا سکھ عیسائی، نیز وہ جس علاقے اور جس ملک سے تعلق رکھتے ہوں، اللہ تعالیٰ نے سب کے ساتھ انصاف کرنے کا حکم دیا ہے۔

بالخصوص موجودہ دور میں جب کہ اقربا پروری عام ہے اور یہ بیماری عموماً مدرسوں، اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں کثرت سے پائی جاتی ہے۔ بعض اداروں میں ذات، برادری اور علاقائیت کی بنا پر فیصلہ لیا جاتا ہے تو بعض تعلیمی

مراکز میں رنگ ونسل کی بنیاد پر انصاف کا گلا گھونٹ دیا جاتا ہے۔حتیٰ کہ بعض مقامات پر محض مسالک و مذاہب کے نام پر حق کو دبا دیا جاتا ہے اور ناحق لوگوں کی تائید وحمایت کی جاتی ہے، جب کہ اُنھیں یہ بخوبی معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی قوم و ملت، ذات، برادری اور مذہب کی تفریق کیے بغیر انصاف کرنے کا حکم دیا ہے۔ایسے لوگوں کو یہ کبھی نہیں بھولنا چاہیے کہ اُنھیں قیامت میں اپنے ایک ایک عمل کا حساب دینا ہے۔

خواتین کے ساتھ انصاف

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا (نسا)

ترجمہ: مردوں کے لیے حصہ ہے اس میں سے جو چھوڑ گئے ماں باپ اور قرابت والے اور عورتوں کے لیے حصہ ہے اس میں سے جو چھوڑ گئے ماں باپ اور قرابت والے، ترکہ تھوڑا ہو یا زیادہ، اس میں (دونوں کا) حصہ ہے مقرر کیا ہوا۔

یہ آیت عربوں کے لیے نازل ہوئی کہ وہ لوگ خواتین کو وراثت سے محروم کردیتے تھے اور ترکہ میں سے انھیں کچھ حصہ نہیں دیتے تھے۔لیکن ترکہ کے معاملات میں آج بھی خواتین کے ساتھ وہی ناانصافی ہورہی ہے جو برسوں پہلے عرب میں ہوا کرتی تھی۔کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ماں باپ کی جائیداد سے خواتین کو کچھ حصہ دیا ہی نہیں جاتا ہے اور یہ کہہ کر ان کا وراثتی حصہ ہڑپ لیا جاتا ہے کہ جہیز میں تو کافی کچھ دیا جاچکا ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ خواتین اس خوف سے خود ہی ترکہ میں سے کچھ نہیں لیتیں کہ کہیں میکے والے ان سے منھ نہ موڑ لیں اور ان سے اپنا رشتہ ناطہ نہ توڑ لیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان تمام باتوں کو سراسر ناانصافی اور حق تلفی قرار دیا ہے اور کل قیامت میں ایسا کرنے والوں کی سخت پکڑ ہوگی، خواہ ماں باپ ہوں، بھائی بہن ہوں یا دیگر رشتے دار، سب ناانصافی کرنے کی وجہ سے عذاب الٰہی میں گرفتار ہوں گے۔لڑکیوں کی شادی کرادینا کافی نہیں ہے بلکہ یہ تو ہر سرپرست کی اپنی ذمہ داری ہے، اسی طرح خواتین کا کسی خوف سے اپنا وراثتی حق نہ لینا کافی نہیں ہے بلکہ خواتین ترکے میں اپنے حصے کا مطالبہ کریں یا نہ کریں ان کو ان کا حق دیں اور اگر نہ لینے کی ضد کریں تب بھی ذمے داران پر لازم ہے کہ اُنھیں ترکے میں سے واجبی حصہ دیں۔

چنانچہ ہر آدمی کو اس پہلو پر غور کرنا چاہیے کہ کہیں وہ خواتین کا وراثتی حق غصب کرکے اپنے حلال مال میں حرام مال کی ملاوٹ تو نہیں کررہا ہے، اگر ایسا ہے تو اس جرم سے بچنا چاہیے اور اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرکے اپنے گناہوں کی معافی کا طلب گار ہونا چاہیے تاکہ اُسے اللہ کی رحمتیں اور اس کی بخششیں حاصل ہوں۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ہر انسان اگر انصاف پر قائم ہو جائے تو اس پرخطر دور میں بھی پوری دنیا امن وسکون کی سانس لے سکتی ہے، وہ اس طرح کہ خود ہر انسان اپنے جسم وروح کے ساتھ انصاف کرے، حاکم اپنی رعایا کے درمیان انصاف کرے، سیاست داں اپنی سیاست میں انصاف اور دیانت داری کا مظاہرہ کرے، استاذ بچوں کی تعلیم وتربیت کے ساتھ انصاف کرے، ایک ضلع دوسرے ضلع کے ساتھ، ایک صوبہ دوسرے صوبے کے ساتھ اور ایک ملک دوسرے ملک کے ساتھ انصاف کا برتاؤ کرے تو وہ دن دور نہیں کہ دنیا میں پیدا ہونے والی بہت ساری خرابیاں دور ہوجائیں گی اور امن وامان کا ماحول قائم ہوجائے گا۔

٭٭٭

رکن الدین سعیدی

احسان کیا ہے؟

انسان اپنی زندگی کو خوب سے خوب تر بنانے کے لیے اپنی پوری قوت لگا دیتا ہے، اس کے باوجود اُس کو وہ سکون حاصل نہیں ہو پاتا جس کو وہ اپنی پوری قوت صرف کر کے تلاش کرتا رہتا ہے، آخرکار وہ اپنی بے انتہا خواہشات کو سینے میں دبائے ہوئے اس حسین دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے۔

اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ انسان خواہ امیر سے امیر ترین ہو یا غریب سے غریب ترین، ہر ایک کی زندگی کی تمام کوششیں اِن تین بنیادی چیزوں پر جا کر رک جاتی ہیں:

۱۔روٹی ۲۔کپڑا ۳۔مکان

اب یہ الگ بات ہے کہ جس کے پاس دولت کی زیادتی اور بہتات ہوتی ہے وہ اچھے مکان، اچھے کپڑے اور اچھے کھانے کا انتظام کر لیتا ہے اور ایک غریب آدمی جھوپڑی، پھٹے پرانے کپڑے اور روکھے سوکھے کھانے کا انتظام بھی بڑی مشکل سے کر پاتا ہے۔

مقصد صرف یہ ہے کہ دنیا کے کسی بھی طبقے میں زندگی گزارنے والا شخص ہو، وہ کسی نہ کسی طرح اپنی زندگی کے لیے ان تینوں چیزوں کے حصول کی بھرپور کوشش کرتا ہے، اسے حاصل بھی کرتا ہے اور اسی کو اپنی کامیابی بھی سمجھتا ہے، کیونکہ دنیا والوں کی نظر میں اصل کامیابی ان ہی تینوں کے حصول کا نام ہے۔ جو شخص اس جسمانی زندگی اور فانی دنیا کے عیش و آرام کے حصول کے لیے اپنی تمام کوششوں کو صرف کرتا ہے اسے دنیا کا کچھ حصہ مل جاتا ہے اور وہ اسی میں خوش ہو جاتا ہے، حالاں کہ جو کچھ دنیا سے اسے ملا ہے وہ اس کو ان اخروی نعمتوں کے بدلے میں ملا ہے جس کی قیمت کا اندازہ اسے اس دنیا سے رخصت ہونے کے بعد ہوگا۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: مَنۡ كَانَ يُرِيۡدُ حَرۡثَ الۡاٰخِرَةِ نَزِدۡ لَهٗ فِىۡ حَرۡثِهٖ‌ۚ وَمَنۡ كَانَ يُرِيۡدُ حَرۡثَ الدُّنۡيَا نُؤۡتِهٖ مِنۡهَا وَمَا لَهٗ فِى الۡاٰخِرَةِ مِنۡ نَّصِيۡبٍ ۝۲۰ (شوریٰ)

ترجمہ: جو آخرت کی بھلائی چاہتا ہے تو میں اُسے خوب دیتا ہوں اور جو شخص دنیا کی بھلائی چاہتا ہے تو میں اس میں سے کچھ عطا کر دیتا ہوں اور آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہوتا۔

جسمانی زندگی کی ضروریات تو ہم خوب جانتے ہیں اور اس کے حصول کے لیے کوششیں بھی کرتے ہیں لیکن روحانی زندگی کے عیش و آرام کے لیے ہم نے آج تک نہیں سوچا کہ اس کے لیے کیا کیا چیزیں ضروری ہیں اور روحانی زندگی کی بنیادی چیزیں کیا ہیں؟ جب کہ اس کے حصول کے لیے ہم کو ہمیشہ تیار رہنا چاہیے اور اس کو پانے کے لیے اپنے شب و روز کے ہر لمحے کو صرف کر دینا چاہیے، اگر انسان کو تھوڑی سی بھی دینی واقفیت ہو، یا اس سلسلے میں غور و فکر کرے تو آسانی سے یہ معلوم ہو جائے گا کہ دین کے لیے بھی تین چیزیں بنیادی ہیں:

۱۔اسلام ۲۔ایمان ۳۔احسان

● اسلام یہ ہے کہ اللہ کے تنہا معبود ہونے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے رسول ہونے کی گواہی دی جائے، نیز نماز، زکاۃ، رمضان کے روزے اور حج کی فرضیت کو تسلیم کیا جائے۔

● ایمان یہ ہے کہ اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی

کتابوں پر، رسولوں پر اور قیامت کے دن پر ایمان لایا جائے اور اس بات پر بھی ایمان لایا جائے کہ تمام اچھی اور بری تقدیریں اللہ تعالیٰ ہی کی جانب سے ہیں۔

● احسان یہ ہے کہ عبادت کرتے وقت یہ تصور قائم کیا جائے کہ عبادت کرنے والا اللہ کو دیکھ رہا ہے اور اگر یہ نہ ہو سکے تو وہ یہ تصور ضرور کر لے کہ اللہ تعالیٰ اُسے دیکھ رہا ہے۔

روٹی (غذا) کھانے سے انسان اپنے جسم میں توانائی وقوت پاتا ہے اور اُسے کمزور ہونے سے بچاتا ہے۔ کپڑا (لباس) سے انسان اپنے بدن کو ڈھکتا ہے اور زیب وزینت کے علاوہ خود کو مختلف موسموں کے تکلیف دہ اثرات سے بچاتا ہے اور مکان کے ذریعے انسان اپنے جسم اور مال کو سلامت رکھتا ہے۔

اس تناظر میں دیکھا جائے تو اسلام کی مثال مکان جیسی ہے، ایمان کی مثال کپڑے جیسی ہے اور احسان کی مثال غذا جیسی ہے۔ چنانچہ جس طرح انسان اپنی زندگی میں روٹی، کپڑا اور مکان کے بغیر کامیاب نہیں ہو سکتا ٹھیک اسی طرح دینی زندگی میں ایک مومن اسلام، ایمان اور احسان کو اپنائے بغیر کامیاب نہیں ہو سکتا ہے۔

انسان کی عقلمندی اسی میں ہے کہ جس طرح انسان بہتر سے بہتر مکان کی تلاش میں رہتا ہے اور اپنے مکان کو خوب سے خوب تر بنانے کی کوشش میں لگا رہتا ہے اسی طرح دینی مکان یعنی اسلام کو بھی اپنی زندگی میں بہتر سے بہتر بنانے کی کوشش کرے اور اس کی خوبصورتی یہ ہے کہ کلمہ پر ایمان لائے، نماز کی پابندی کرے، روزہ رکھے، صاحب استطاعت ہے تو حج کرے اور صاحب نصاب ہے تو برابر زکوۃ ادا کرتا رہے۔

جب انسان کے پاس قسم قسم کا لباس ہوتا ہے تو بھی اُس کی خواہش رک نہیں پاتی بلکہ وہ اور بھی نئے نئے قیمتی ملبوسات کا شوق رکھتا ہے، اسی طرح ہر مومن کو چاہیے کہ دین کا لباس جسے ایمان سے تعبیر کیا گیا اُسے بھی مقبول اور مضبوط تر بنانے کے لیے ہر دم کوشش کرتا رہے اور ایمان کو مقبول اور مضبوط تر بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ بندہ اسلام کے ارکان کی ادائیگی میں خلوص وللّٰہیت سے کام لے، مثلاً: نماز ادا کرے تو اللہ کے لیے، روزہ رکھے تو اللہ کے لیے، حج کرے تو اللہ کے لیے اور زکوۃ ادا کرے تو اللہ کے لیے، غرض کہ وہ اپنی زندگی کا ہر عمل اللہ کے لیے انجام دے۔

اور صرف مکان اور کپڑا ہی انسان کے لیے کافی نہیں، بلکہ اُسے کھانے کی بھی ضرورت ہوتی ہے اور کھانا صرف پیٹ بھرنے کے لیے ہی نہیں ہوتا، بلکہ اس کی لذت سے انسان لطف اندوز بھی ہوتا ہے، ٹھیک اسی طرح جب اسلام اور ایمان نصیب ہو جائے تو احسان کے لیے کوشش ہونی چاہیے، کیونکہ احسان اس لذیذ غذا کی طرح ہے جس سے نہ صرف لذت حاصل ہوتی ہے بلکہ اس سے جسمانی وروحانی توانائی بھی ملتی ہے۔ احسان میں محبت واخوت، رواداری، حسن سلوک اور معافی جیسے اعمال شامل ہیں، بلکہ دنیا کا ہر وہ کام جو صرف اور صرف رضائے الٰہی کے لیے ہو وہ احسان ہے، مختصر طور پر یہ سمجھ لیجئے کہ سوتے جاگتے اور اٹھتے بیٹھتے اللہ کو یاد کرنا احسان ہے۔

ہمیں بھی چاہیے کہ جس طرح ہم روٹی، کپڑا، مکان کے لیے شب وروز دوڑتے بھاگتے اور پریشاں حال رہتے ہیں، اسی طرح اپنی دینی زندگی کو بھی کامیاب بنانے کے لیے اسلام، ایمان اور احسان کو اپنی زندگی کے ہر شعبے میں داخل کرنے کی کوشش کریں۔

✲✲✲

محمد مظفر حسین

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلق عظیم

حضرت سعد بن ہشام رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے عرض کیا: اے ام المومنین! مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے بارے میں بتائیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا:

کیا تم قرآن کریم نہیں پڑھتے؟

حضرت سعد کہتے ہیں کہ: میں نے عرض کیا: کیوں نہیں؟

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

یہ قرآن مجید آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق ہی تو ہے۔

خلق کا معنی

علامہ راغب اصفہانی فرماتے ہیں کہ:

خَلق کا اطلاق ظاہری بناوٹ اور اس کی شکل وصورت کے ساتھ خاص ہے جس کو آنکھوں سے دیکھا جا سکتا ہے اور خُلق کا اطلاق ان باطنی قوتوں کے ساتھ خاص ہے جن کو بصیرت سے جانا جاسکتا ہے۔

امام رازی فرماتے ہیں کہ:

مخلوق کا کمال، علم اور عمل کے اعتبار سے ظاہر ہوتا ہے۔

اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال علمی کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ کہہ کر ظاہر فرمایا ہے:

وَ عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَ كَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴿۱۱۳﴾ (نسا)

ترجمہ: جو کچھ آپ نہیں جانتے تھے وہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتادیا اور یہ آپ پر اللہ کا فضل عظیم ہے۔

اور کمال عمل کو اس طرح ظاہر فرمایا کہ:

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ﴿۴﴾ (قلم)

ترجمہ: بے شک آپ خلق عظیم پر فائز ہیں۔

آپ کے علم وعمل دونوں کو اللہ تعالیٰ نے عظیم قرار دیا ہے اور جس چیز کو اللہ عظیم قرار دے دے اس کی عظمتوں کا اندازہ کون کرسکتا ہے؟

قرآن وسنت میں غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اخلاق کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ خلق حسن، یہ اخلاق کا ابتدائی درجہ ہے

۲۔ خلق کریم، یہ اخلاق کا درمیانی درجہ ہے جس کے بارے میں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ۔

(مسند احمد، ابوہریرہ)

ترجمہ: میں اسی لیے بھیجا گیا ہوں کہ کریمانہ اخلاق کو مکمل کروں۔

۳۔ خلق عظیم، یہ اخلاق کا سب سے آخری اور اعلیٰ درجہ ہے جو سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذاتی خلق ہے اور جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ﴿۴﴾ (قلم)

ترجمہ: اے محبوب آپ خلق عظیم پر فائز ہیں۔

اس آیت میں لفظ علی آیا ہے اور یہ لفظ استعلا کے لیے

بولا جاتا ہے جو اس بات کی جانب اشارہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خلق عظیم کے اعلیٰ ترین مقام پر فائز ہیں، بلکہ اخلاق عظیم کے پیکر اعظم ہیں اور آپ کی نسبت اخلاق کی طرف ایسے ہی ہے جیسے مالک کی نسبت غلام کی طرف ہوتی ہے اور امیر کی نسبت اس کے ماتحت کی طرف ہوتی ہے۔

چنانچہ اس آیت کا مطلب یہ ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے جو عمل انجام پا جائے وہ خلق عظیم میں شامل ہو جایا کرتا ہے۔

عام لوگوں کا حال تو یہ ہے کہ وہ کسی اچھے کام کے کرنے کی وجہ سے اچھے بنتے ہیں اور عظیم کہلاتے ہیں لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات تو ایسی ہے جو اپنے عظیم ہونے میں خلق عظیم کے تابع نہیں، بلکہ خلق عظیم اپنے عظیم ہونے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہے۔

خلق کے درجات میں فرق

● پہلا درجہ ''خلق حسن'' یہ کامل اعتدال چاہتا ہے، یعنی ہر معاملے میں انسان بیچ کا راستہ اختیار کرے، کبھی بھی حد سے آگے نہ بڑھے، نہ زیادہ زیادتی کے اعتبار سے اور نہ کمی کے اعتبار سے، جیسے: اگر کسی نے آپ کو کچھ نقصان پہنچایا تو آپ نے اس کے جواب میں اُسے اتنا ہی نقصان پہنچایا تو آپ کے اس عمل کو ''خلق حسن'' کہا جائے گا۔

لیکن اگر کسی نے آپ کو تھوڑا سا نقصان پہنچایا اور اس کے جواب میں آپ نے اس کا نقصان اس سے کہیں زیادہ کر دیا تو یہ آپ کی جانب سے اس پر ظلم ہوگا جب کہ ''خلق حسن'' کا مطلب ہے ظلم و زیادتی سے بچنا اور اعتدال (میانہ روی) پر قائم رہنا۔

● دوسرا درجہ ''خلق کریم'' ہے اس میں اعتدال سے کام لینا بدلہ نہیں ہوتا، بلکہ ایثار و قربانی کا مظاہرہ کرنا بدلہ ہوتا ہے، یعنی کوئی شخص آپ کے ساتھ زیادتی کرے تو بدلہ لینے کا حق اور طاقت و قدرت ہوتے ہوئے بدلہ لینے کے بجائے اُسے معاف کر دیا جائے تو اس قربانی اور ایثار کو ''خلق کریم'' کہتے ہیں۔

● تیسرا درجہ ''خلق عظیم'' ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص آپ کے ساتھ زیادتی کرے تو نہ صرف آپ اُسے معاف کر دیں، بلکہ اس کے جواب میں آپ اس کے ساتھ احسان و مروت کا برتاؤ بھی کریں، یہ ''خلق عظیم'' ہے۔

اسی ''خلق عظیم'' کی تعلیم دیتے ہوئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

صِلْ مَنْ قَطَعَكَ وَأَعْطِ مَنْ حَرَمَكَ وَاعْفُ عَمَّنْ ظَلَمَكَ۔ (مسند احمد، عقبہ بن عامر جہنی)

ترجمہ: جو تم سے تعلق توڑے تم اس کے ساتھ تعلق جوڑو اور جو تمھیں محروم رکھے تم اس کو عطا کرو اور جو تم پر ظلم کرے تم اُسے معاف کر دو۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا:

یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) مشرکین کے خلاف دعا کیجیے تو آپ نے ارشاد فرمایا:

إِنِّي لَمْ أُبْعَثْ لَعَّانًا، وَإِنَّمَا بُعِثْتُ رَحْمَةً۔ (مسلم، نہی عن لعن)

مجھے لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا مجھے تو صرف رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ جہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ''خلق عظیم'' کی تعلیم دی ہے وہیں اس پر عمل کر کے

بھی دکھایا ہے، مثلاً: آپ نے وحشی بن حرب کو بھی معاف کر دیا جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب ومکرم چچا سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کو جنگ احد میں شہید کر دیا تھا۔

اور مکہ کے ان ستم گروں کو بھی عام معافی دے دی جنھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور صحابہ کرام پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے تھے۔

فتح مکہ کے دن جب یہ سب کے سب مہاجرین وانصار کی حراست میں تھے اور یہ سوچ سوچ کر کانپ رہے تھے کہ آج ہم سے ضرور انتقام لیا جائے گا، ہماری گردنیں مار دی جائیں گی اور ہمارے بال بچوں کو بھی تہہ تیغ کر دیا جائے گا۔

وہ سب اسی شش وپنج میں مبتلا تھے کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف متوجہ ہوئے اور ان مجرموں سے پوچھا: مَا تَرَوْنَ أَنِّي صَانِعٌ بِكُمْ؟

ترجمہ: بتاؤ! آج میں تمہارے ساتھ کیا معاملہ کرنے والا ہوں؟

قَالُوا: خَيْرًا، أَخٌ كَرِيمٌ وَابْنُ أَخٍ كَرِيمٍ.

ترجمہ: یہ سن کر قیدیوں نے مل کر کہا کہ آپ بہتر سلوک ہی کریں گے، کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مہربان بھائی ہیں اور مہربان باپ کے بیٹے ہیں۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اذْهَبُوا فَأَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ. (سنن کبریٰ للبیہقی، فتح مکہ)

ترجمہ: جاؤ آج تم سب کے سب آزاد ہو۔

چنانچہ اس خلق عظیم کا نتیجہ یہ نکلا کہ جو قوم دین اسلام کو دنیا سے ختم کر دینا چاہتی تھی اب وہی دین اسلام کی اشاعت کے لیے خود کو مٹا دینے میں فخر محسوس کرنے لگی:

جہاں تاریک تھا ظلمت کدہ تھا سخت کالا تھا
کوئی پردے سے کیا نکلا کہ گھر گھر میں اجالا تھا

٭٭٭

ماہ رمضان کے موقع پر قارئین کے لیے بہترین تحفہ

ماہنامہ خضر راہ الہ آباد کا خصوصی شمارہ

رمضان وزکاۃ

پر مشتمل ہوگا۔ (ان شاء اللہ)

تاجر حضرات سے گزارش ہے کہ اشتہار دے کر اپنے کاروبار کو ترقی دیں

ایجنسیاں بھی اپنی اپنی کاپیاں بک کرا لیں

رابطے کا پتہ: شاہ صفی اکیڈمی، جامعہ عارفیہ، سید سراواں، کوشامبی (الہ آباد)

E-mail: khizrerah@gmail.com, +91931292253

فیضان عزیزی

لباس تقویٰ

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ قَدۡ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡکُمۡ لِبَاسًا یُّوَارِیۡ سَوۡاٰتِکُمۡ وَ رِیۡشًا وَ لِبَاسُ التَّقۡوٰی ذٰلِکَ خَیۡرٌ ؕ ذٰلِکَ مِنۡ اٰیٰتِ اللّٰہِ لَعَلَّہُمۡ یَذَّکَّرُوۡنَ﴿۲۶﴾ (اعراف)

ترجمہ: اے آدم کی اولاد! بے شک ہم نے تمہارے لیے ایک ایسا لباس اتارا ہے جو تمہاری شرم گاہوں کو چھپاتا ہے اور تمھیں زینت بخشتا اور (اس ظاہری لباس کے ساتھ ایک باطنی لباس) تقویٰ کا لباس بھی اتارا ہے، یہ بہتر ہے اور یہ (ظاہر وباطن کے لباس) اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں شاید کہ لوگ اسے یاد رکھیں۔

اس آیت مبارکہ سے لباس کی حقیقت کا پتہ چلتا ہے کہ لباس کیا ہے، اس کو کیوں استعمال کیا جاتا ہے اور اس کی کتنی قسمیں ہیں؟

چنانچہ قرآن وتفاسیر کا مطالعہ کریں تو لباس کی کل چار قسمیں سمجھ میں آتی ہیں، جو یہ ہیں:

۱۔لباس ظاہری ۲۔لباس باطنی

لباس باطنی کو لباس تقویٰ بھی کہتے ہیں۔

لباس ظاہری کی دو قسمیں ہیں:

۱۔لباس ستر ۲۔لباس زینت

اب ہم تفصیل کے ساتھ لباس اور اس کے اقسام کو جاننے کی کوشش کرتے ہیں:

لباس کیا ہے؟

لغت میں لباس کے دو معانی بتائے گئے ہیں:

۱۔جس کو پہنا، یا پہنایا جائے۔

۲۔جس سے فائدہ اٹھایا جائے۔

ان دونوں معانی میں دو معانی اور پوشیدہ ہیں:

۱۔جس سے کسی چیز کو چھپایا جائے، کیونکہ جو چیز پہنی یا پہنائی جائے گی اس سے کوئی نہ کوئی چیز ضرور چھپے گی۔

۱۔جس کو اختیار کیا جائے، کیونکہ جس سے فائدہ اٹھانا مقصد ہوگا تو اس کو ضرور اختیار کیا جائے گا۔

اصطلاح میں لباس کی تعریف اور اس کے اقسام کی تعریف یہ کی گئی ہے:

لباس ستر: وہ چیز جس سے ستر عورت کو چھپایا جائے۔

تنبیہ: مردوں کے لیے ناف سے لے کر گھٹنے تک ستر عورت ہے اور خواتین میں آزاد عورت کے لیے چہرہ اور ہتھیلی کے علاوہ جسم کا ہر حصہ ستر عورت ہے اور باندی کے لیے کاندھے اور سینے سے لے کر پنڈلی تک ستر عورت ہے۔

لباس زینت: وہ چیز جو ستر پوشی کے بعد زیب وزینت کے لیے استعمال کیا جائے، مثلاً: مردوں کے لیے سر (عمامہ یا ٹوپی) سے لے کر ٹخنوں سے کچھ اوپری حصے تک اور خواتین کے لیے بدن کے پورے حصے تک جو بھی مباح لباس استعمال کیا جائے وہ لباس زینت ہے۔

ہر طبقے کو اپنے اپنے مرتبہ ومقام کے اعتبار سے مباح لباس زینت استعمال کرنے کی اجازت ہے۔

لباس تقویٰ: تقرب الی اللہ کی نیت سے نیک اعمال کرکے برائیوں سے بچنا۔

جس طرح لباس ظاہری کی مختلف قسمیں ہیں اسی طرح لباس تقویٰ کی بھی مختلف قسمیں کی جاسکتی ہیں، مثلاً:

۱۔فرائض اور واجبات پر عمل کر کے اللہ کی نافرمانی سے پرہیز کرنا۔

۲۔سنن مؤکدہ پر عمل کر کے گناہوں سے دور رہنا۔

۳۔نوافل پر عمل کر کے اللہ کی اطاعت میں حسن (زیب وزینت) پیدا کرنا۔

عام لباس اور لباس تقویٰ کا مقصد

ان تفصیلات سے واضح طور پر یہ سمجھ میں آتا ہے کہ لباس اس لیے پہنا جاتا ہے یا پہنا جائے تا کہ اس کے ذریعے کم از کم بدن کے وہ حصے ضرور چھپ جائیں جن کو چھپانا عام طور پر ضروری ہے، کیوں کہ بدن کے ان حصوں کو پوشیدہ رکھنے میں کوئی نہ کوئی فائدہ ضرور ہے، اگر چہ وہ فائدہ بروقت ہماری سمجھ میں آئے یا نہ آئے، اسی طرح لباس تقویٰ اس لیے اختیار کیا جاتا ہے یا اختیار کیا جائے تا کہ اس کے ذریعے باطن کی صفائی ہو، مثلاً: اگر ضروریاتِ دین کا علم حاصل ہو تو اس کی بقا اور حفاظت کے لیے عمل کا لباس ضرور اختیار کیا جائے، تا کہ دل میں خوف الٰہی اور دنیا سے بے رغبتی کا جذبہ پیدا ہو، اگر کوئی نیکیوں میں لگا ہوا ہے تو وہ خلوص وللّٰہیت کا لباس ضرور اختیار کرے، تا کہ باطن کی خرابیوں (کینہ، حسد، بغض، غرور، گھمنڈ) سے بچ سکے اور اگر دنیا کی خرافات میں گھر گیا ہے تو یادِ الٰہی کا لباس ضرور زیب تن کر لے، تا کہ اُسے قرب الٰہی کی لذت حاصل ہو۔

مکمل لباس استعمال نہ کرنے کے نقصانات

جب انسان مکمل لباس استعمال نہیں کرتا تو اس کے اس عمل کی وجہ سے خود اس کو اور اس کے اردگرد معاشرے کو بہت سے نقصانات اٹھانے پڑتے ہیں۔ متعین شرعی حدود سے کم لباس پہننا یا اس طرح کا لباس پہننا جس سے لباس کا مقصد ہی فوت ہوتا ہو، مثلاً: لباس تو مکمل ہو لیکن اتنا چست ہو کہ اعضا کے نشانات ظاہر ہوتے ہوں ایسے لباس سے پرہیز کرنے کی سخت ضرورت ہے، کیونکہ ایسے لباس سے دینی و مذہبی نقصانات کے ساتھ، دنیاوی نقصانات بھی ہوتے ہیں۔

مثال کے طور پر نقاب کا مقصد پردہ پوشی اور خواہش کو مارنا ہے، مگر آج کل کا نقاب اس کے برعکس ہیں، جن کے نقصانات ہم سے پوشیدہ نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ﴿۲۷﴾ (اعراف)

ترجمہ: اے آدم کی اولاد! (کہیں) تمھیں شیطان فتنہ میں نہ ڈال دے، جس طرح اس نے تمہارے ماں باپ کو جنت سے نکال دیا، ان سے ان کا لباس اتروا دیا، تا کہ انھیں ان کی شرم گاہیں دکھا دے، بے شک وہ (شیطان) اور اس کا قبیلہ تمھیں ایسی جگہوں سے دیکھتا رہتا ہے جہاں سے تم انھیں نہیں دیکھ سکتے۔

اس آیت مبارکہ سے ثابت ہوتا ہے کہ نامکمل لباس پہننے سے شیطان، انسان پر خطرناک حملہ کرتا ہے کہ اُسے برائی کی جانب مائل کر دیتا ہے، بلکہ شیطان، انسان کو اپنے فتنے میں مبتلا کر کے اسے لباس تقویٰ سے دور کر دیتا ہے، اس لیے لباس کی خرابیوں سے بچنا چاہیے، ورنہ انسان اگر اسی طرح شیطان کی پیروی کرتا رہا تو وہ جنت میں جانے کے قابل نہ ہو سکے گا۔

٭٭٭

شاہ صفی اکیڈمی الہ آباد کی دو فخریہ پیش کش

● علامہ قطب الدین دمشقی قدس اللہ سرہٗ کی مشہور متن تصوف

الرسالۃ المکیۃ

ترجمہ اور تحقیق وتخریج کے ساتھ جلد منظر عام پر

● حضرت مخدوم شیخ سعد خیرآبادی قدس اللہ سرہٗ (۹۲۲ھ) کے قلم سے

اس متن تصوف کی عالمانہ وعارفانہ شرح

مجمع السلوک

جو شریعت وطریقت کا انسائیکلو پیڈیا اور سالکین وطابین

کے لیے دستور العمل ہے۔

حضرت مولانا ضیاء الرحمن علیمی صاحب نے اس کا سلیس اور بامحاورہ ترجمہ مکمل کرلیا ہے

جو اَب نظر ثانی کے مرحلے میں ہے۔

تحقیق وتخریج کے ساتھ بہت جلد اشاعت پذیر ہو رہی ہے۔ (ان شاء اللہ)

ضیاء الرحمن علیمی

واقعۂ معراج: تدبر کے چند پہلو

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

سُبْحَانَ الَّذِیْ أَسْرَیٰ بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَی الْمَسْجِدِ الْأَقْصَی الَّذِیْ بَارَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ آیَاتِنَا إِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ۔ (اسرا:۱)

ترجمہ: پاک ہے وہ ذات جو رات کے تھوڑے سے حصے میں اپنے خاص بندے کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گئی، جس کے گرد ہم نے اپنی برکتیں رکھی ہیں، تاکہ ہم اس کو اپنی کچھ نشانیاں دکھلائیں، بے شک وہ سننے والا، دیکھنے والا ہے۔

اس آیت کریمہ میں واقعہ اسرا و معراج کی طرف اشارہ ہے، اس واقعے کے متعدد پہلوؤں میں سے کچھ یہ ہیں:

● سائنسی پہلو ● روحانی پہلو ● فلسفیانہ پہلو

معراج کا سائنسی پہلو

''معراج'' انسانی تاریخ کا ایسا تعجب خیز سفر ہے جس کی تفصیلات و جزئیات پر ناقص عقلیں آج تک حیران ہیں، انھیں سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ سفر کیسے طے ہوا؟ ایسا کیسے ممکن ہوگیا کہ اللہ کا ایک بندہ آسمانی حدوں کو پار کر کے لامکاں کی وسعتوں تک پہنچ گیا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس میں اہل ایمان کے لیے حیرت کی کوئی بات نہیں۔ ایمان والے جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے بھی اپنے رسولوں کو خصوصی معجزات سے نوازا تھا، تاکہ ان کی نبوت و رسالت کی صداقت ہر انسان پر واضح ہوجائے اور اس طرح وہ دولت ایمان سے شرفیاب ہوجائے۔ ایمان والوں پر یہ عقیدہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اس کائنات میں صرف دو چیزوں کا ظہور ہوتا ہے: پہلا اللہ رب العزت کی سنت اور دوسرا اس کی قدرت۔

اللہ تعالیٰ کی سنت بھی اگرچہ اس کی قدرت کاملہ کے تحت ہی ہوتی ہے مگر اصطلاح میں اللہ تعالیٰ کی قدرت سے مراد وہ تمام افعال ہوتے ہیں جو عام نظام فطرت سے ہٹ کر واقع ہوتے ہیں۔ لیکن جو لوگ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات پر ایمان نہیں رکھتے یا رسمی طور پر ایمان رکھنے کے باوجود دین سے متعلق ہر جزیئے اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شخصیت و سیرت سے متعلق ہر واقعے کو اپنی ناقص عقل کی کسوٹی پر پرکھنے کے عادی ہیں ان کے سامنے بہت سے مسائل کھڑے ہوتے ہیں اور ان کے دین و ایمان کی عمارت گرتی نظر آتی ہے۔

معراج کے واقعے ہی نے تسخیر کائنات کے لیے انسانوں کے حوصلوں کو قوت بخشا، لہٰذا انسانوں نے آگے چل کر تحقیق و جستجو کی بند راہوں کو کھولا اور پیچیدہ خلائی راستوں کی تلاش کی۔

خلائی سفر کے مخصوص لوازمات کے بغیر کرۂ فضا سے باہر ایتھر (Ather) میں کروڑوں نوری سال کا سفر طے کرنے کا تصور ناممکن معلوم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ کرۂ ارض گیسوں پر مشتمل ایک ایسے شفاف غلاف میں لپٹا ہوا ہے جو زمین پر زندگی کو ممکن بناتا ہے۔ جب انسان خلائی سفر پر روانہ ہوتا ہے تو سب سے پہلے اسے سیکڑوں کلومیٹر کی گہرائی پر مشتمل زندگی بخش ہواؤں کے سمندر کو عبور کرنا پڑتا ہے۔ ہوائی سفر میں زیادہ بلندی پر آکسیجن کی کمی کی صورت میں گیس ماسک (Gas Mask) استعمال کیا جاتا ہے۔ جہاز کے اندر مصنوعی طور پر ہوا کا دباؤ بھی بنایا جاتا ہے اور اگر کسی تکنیکی خرابی کی بنا پر جہاز میں سوراخ ہوجائے تو جہاز کے اندر موجود مصنوعی دباؤ تیزی سے گر جاتا ہے، اس سے مسافروں کے جسم سخت پریشانیوں کا شکار ہوجاتے ہیں۔

خلائی سفر پر روانگی کے دوران ہوائی کرہ سے باہر نکلنے کے لیےکم ازکم 40,000 کلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار کی حاجت ہوتی ہے چنانچہ خلا بازوں کو آکسیجن اور مصنوعی دباؤ کے ساتھ ایک مخصوص لباس کی بھی ضرورت ہوتی ہے جو انھیں درجۂ حرارت کی شدت کے علاوہ مقناطیسی برقی لہروں سے بھی بچاتا ہے۔

EVA SPACESUIT ایک انسان کو خلائی سفر کے دوران آکسیجن کی فراہمی، مناسب حرارت، مواصلات اور خلا میں قیام کے لیے دوسری ضروریات فراہم کرتا ہے، ان کے علاوہ MMU UNIT کی بدولت انسان اس قابل بھی ہو چکا ہے کہ خلائی شٹل سے باہر نکل کر ایک مصنوعی سیارے کی طرح زمین کے مدار میں لمبے وقت کے لیے آسانی کے ساتھ گھوم پھر سکے۔ ہر گزرتے دن کے ساتھ ہوائی سفر کی پریشانیوں کو آسانیوں میں تبدیل کیا جا رہا ہے۔ ان سب کے باوجود ابھی تک انسان روشنی کی رفتار سے سفر کرنے کی صلاحیت نہیں حاصل کر سکا ہے۔ روشنی 299,792,458 کلومیٹر فی سیکنڈ کی رفتار سے سفر کرتی ہے اور سائنس کے نظریے کے مطابق اس قدر رفتار کا حصول کسی بھی مادی شئی کے لیے محال ہے۔

آئن اسٹائن کی نظر میں اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر بالفرض کوئی مادی جسم روشنی کی رفتار حاصل کر لے تو اس پر وقت کی رفتار بالکل ٹھہر جائے گی اور اس کی کمیت بڑھتے بڑھتے لامحدود ہو جائے گی اور اس کا حجم سکڑ کر بالکل ختم ہو جائے گا اس کا مطلب یہ ہے کہ جسم فنا ہو جائے گا، لہٰذا کسی بھی مادی جسم کے لیے روشنی کی رفتار حاصل کرنا ممکن نہیں ہے۔ آئن اسٹائن کے نظریے کے مطابق یہی قانونِ فطرت پورے نظام کائنات میں جاری ہے۔ اب اسی قانون کی روشنی میں سفر معراج کا تجزیہ کیا جائے تو پتا چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی سنت کا یہ نظام اس کی قدرت کے ظہور کے طور پر بدل گیا۔ وقت بھی رک گیا، جسم کی کمیت بھی لامحدود نہیں ہوئی اور وہ فنا ہونے سے بھی بچا رہا اور اس کا جسم بھی اپنی حقیقی حالت پر باقی رہا اور خلائی سفر کے ضروری تقاضوں کو پورا کیے بغیر ہی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے براق (Multiple Speed of Light) کی رفتار سے سفر طے کیا، بیت المقدس میں تمام انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کی امامت فرمائی، سفر کے دوران آپ نے کھانا، پینا بھی کیا، لامکاں کی سیاحت بھی کی، برگزیدہ انبیائے کرام سے ملاقاتیں بھی رہیں اور پھر اخیر میں اللہ تعالیٰ کے قرب خاص سے شرف یاب ہو کر جب روئے زمین کی طرف لوٹے تو وضو کا پانی بہہ رہا تھا بستر بھی گرم تھا اور دروازے کی کنڈی بھی ہل رہی تھی۔

نظریہ اضافیت (Relativity) میں روشنی کی عام رفتار کے حصول کو ناممکن کہا گیا ہے۔ لیکن واقعۂ معراج انسانی جماعت کے لیے اس بات کا اشارہ ہے کہ اس کائنات میں موجود عناصر ہی کی باہم انوکھی ترکیب سے اس بات کا بہت زیادہ امکان ہے کہ وہ روشنی کی رفتار کو پالے۔

معراج: طی زمانی اور طی مکانی کا جامع نمونہ

معجزۂ معراج کی جزئیات وتفصیلات کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ معجزۂ معراج طی زمانی اور طی مکانی کی جامعیت کا مظہر ہے۔ جدید سائنس اپنی تحقیقات کی بنا پر اس نتیجے تک پہنچ چکی ہے کہ رفتار میں کمی بیشی کی وجہ سے کسی جسم کے لیے وقت کا پھیلنا اور سکڑ جانا، جسم کے حجم اور فاصلوں کا پھیلنا اور سکڑ جانا قانون فطرت اور رضائے الٰہی کے عین موافق ہے۔ لاکھوں کلومیٹر میں بکھری مسافتیں اگر ایک قدم میں تبدیل ہو جائیں تو اسے اصطلاح میں طی مکانی کہا جاتا ہے اور اگر صدیوں پر محیط وقت چند لمحوں میں سمٹ

آئے تو اسے طی زمانی کہا جاتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے نبیوں، رسولوں اور ولیوں کو معجزہ اور کرامت کے طور پر یہ کمالات عطا فرماتا ہے۔ چنانچہ سورۂ نمل میں ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے ایک صحابی حضرت آصف برخیا نے ملکہ سبا کے تخت کو جو 2700 کیلومیٹر کے فاصلے پر تھا پلک جھپکتے حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر کردیا، یوں ہی قرآن کریم میں طی زمانی کا ذکر بھی موجود ہے کہ اصحاب کہف تین سو نو سال تک ایک غار میں سوئے رہے اور جب سو کر اٹھے تو انھیں ایسا لگا کہ گویا وہ صرف ایک دن یا اس سے کچھ زائد سوئے رہے ہوں۔ زمینی کرہ کے تین سو شمسی برسوں کے موسم ان پر گزر گئے مگر پھر بھی ان کا جسم تر وتازہ رہا، اسی طرح حضرت عزیر علیہ السلام پر سو سال کے لیے موت طاری کردی گئی اور قدرتِ الٰہی سے وہ پھر زندہ ہو گئے اور جب ان سے پوچھا گیا کہ آپ کتنے زمانے تک آرام کرتے رہے تو انھوں نے فرمایا: ایک دن یا اس سے بھی کم، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ واقعہ ایسا نہیں ہے بلکہ آپ سو سال تک سوتے رہے اور اس دوران ان کا کھانا پانی بھی یوں ہی رکھا رہا اور اس میں کوئی خرابی پیدا نہیں ہوئی جب کہ دوسری طرف آپ کے گدھے کی ہڈیاں سڑ گل گئیں اور پھر اللہ کے حکم سے وہ ہڈیاں اکٹھی ہوئیں اور وہ پھر سے زندہ کھڑا ہو گیا۔

یہ ساری باتیں اللہ تعالیٰ کی خاص نشانی اور اس کی قدرت کے ظہور کے نتیجے کے طور پر تھیں۔ اس سے اللہ تعالیٰ کی سنت میں کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی، سنت تو کل بھی یہی تھی اور آج بھی یہی ہے کہ 2700 کیلومیٹر کا سفر چشم زدن میں کوئی طے نہیں کرسکتا، 300 شمسی سال گزر جانے اور سو سال گزر جانے کے بعد کوئی جسم سلامت نہیں رہ سکتا لیکن اس کی قدرت کا اظہار کل بھی ہوا تھا اور آج بھی اس کے برگزیدہ بندے کے ذریعے ہوسکتا ہے کہ 2700 کیلومیٹر یا اس سے زائد کا فاصلہ پلک جھپکتے طے ہو جائے اور سیکڑوں سال گزر جانے کے باوجود ان کے جسموں میں کوئی تبدیلی رونما نہ ہو۔

متفرق طور پر طی مکان اور طی زمان کے واقعات نبی اور غیر نبی کے لیے پیش آسکتے ہیں تو رسولوں کے سردار کے لیے کوئی ایسا واقعہ کیوں نہیں رونما ہوسکتا جس میں بیک وقت طی مکانی بھی ہو اور طی زمانی بھی۔ اب اس میں کوئی تعجب والی بات نہیں کہ معراج کی شب قادر مطلق نے اپنے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو زمان ومکان (Time & Space) کی مسافتیں طے کروانے کے بعد اپنے قرب ووصال کی نعمتیں کیسے عطا فرمائیں؟ یقیناً واقعہ معراج ایک معجزہ تھا جس میں زمین کی طنابیں کھینچ لی گئیں، وقت ٹھہر رہ گیا، اور کائنات بے حس وحرکت ایک نقطے پر رک گئی۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ نبوت میں انسانی دماغ نے چاند پر پہنچ کر آپ کے اس معجزے کے امکان کی نشاندہی کردی ہے یہ الگ بات ہے کہ جس منزل تک اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے وہ ایک معجزہ تھا اور چاند تک پہنچنا اس معجزے کی تائید اور سفر معراج کی توثیق ہے۔ انسان جس قدر بھی ترقی کرے اور اپنی فضائی پرواز جس قدر بھی بڑھا لے وہ لامکاں کی بلندیوں تک نہیں پہنچ سکتا وہ سفر معراج میں آپ کے نقش پا کو آنکھوں سے لگا کر بلندیوں کی منزلیں تو طے کرسکتا ہے لیکن آپ کی برابری کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔

معراج کا روحانی پہلو

اگر صوفیانہ نقطہ نظر سے گفتگو کی جائے تو صوفیائے کرام نے معراج کے واقعے سے وہ نفیس نکات لیے ہیں کہ ہمیں یہ برملا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ بلا شبہہ وہی لوگ درحقیقت بحر روحانیت کے غواص ہیں۔

سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیا قدس اللہ سرہٗ

نے سفر معراج کے سلسلے میں تین اصطلاحات کا ذکر فرمایا ہے:

۱۔اسرا: مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کا سفر۔

۲۔معراج: بیت المقدس سے ساتوں آسمانوں اور سدرۃ المنتہیٰ تک کا سفر۔

۳۔اعراج: سدرۃ المنتہیٰ سے مقام قاب قوسین تک عروج۔

ان تینوں مراحل کو اگر سامنے رکھا جائے تو فلسفۂ معراج کی صوفیانہ تفہیم آسانی کے ساتھ ہو سکتی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تین شانیں ہیں:

۱۔بشریت ۲۔نورانیت ۳۔مظہریت وحقیقت۔

مذکورہ تینوں شانیں آپ کی ذات کا حصہ ہیں اور آپ کی کسی شان سے دوسری شان کا ٹکراؤ نہیں۔ جس وقت آپ سفرِ اسرا یعنی مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ کے سفر پر تھے اس وقت آپ کی شانِ بشریت کی معراج تھی جب کہ آپ کی نورانیت اور مظہریت والی شانیں مغلوب تھیں۔ جب آپ معراج پر یعنی بیت المقدس سے لے کر ساتوں آسمانوں اور سدرۃ المنتہیٰ تک کے سفر پر تھے اس وقت آپ کی شان نورانیت کی معراج تھی اور آپ کی بشریت اور مظہریت والی شانیں مغلوب تھیں اور جس وقت آپ سفر اعراج یعنی سدرۃ المنتہیٰ سے آگے کے سفر پر تھے اس وقت آپ کی حقیقت اور مظہریت والی شان کی معراج تھی اور اس وقت آپ کی بشری اور نورانی شانیں مغلوب تھیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ فلسفۂ معراج کا صوفیانہ تصور یہ ہے کہ معراج کے توسط سے نبی کریم صلی اللہ علیہ سلم کی ذات وصفات کے ہر پہلو اور آپ کے کمالات کی ہر شان کی تکمیل کردی گئی اور پھر آپ اوصاف وکمالات ربانی کا کامل ترین مظہر بن کر اس خاکدان گیتی کی طرف پلٹے اور امت محمدیہ اگر کچھ اپنے رسول کے نقش قدم پر چلے اور خود کو عبدیت کے خاص مقام تک پہنچادے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے وہ بھی معراج روحانی حاصل کر سکتی ہیں اور آیات ربانیہ کا وہ بھی مشاہدہ کر سکتی ہیں۔

معراج کا فلسفیانہ پہلو

واقعہ معراج کا ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ جس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کرائی جارہی ہے اس وقت صورت حال یہ ہے کہ اہل مکہ کی اکثریت نے آپ کی دعوت کو ٹھکرادیا ہے، شفیق چچا ابوطالب اور رفیقہ حیات حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہو چکا ہے اور اہل مکہ کی ظلم وزیادتی ناقابل برداشت حد تک بڑھ چکی ہے، اہل طائف کے سفاکانہ سلوک نے آپ کو نڈھال کردیا ہے، ایسے موقع پر اللہ تعالیٰ نے اپنی نشانیوں کا مشاہدہ کرانے اور اپنے خاص دیدار سے مشرف کرانے کے لیے عالم بالا کی سیر کے لیے آپ کو قرب خاص میں بلایا، تاکہ آپ کا غم کافور ہوجائے اور آپ نئے عزم وحوصلے کے ساتھ دعوت کا کام انجام دے سکیں۔

عالم بالا میں بلاکر اس بات کی آپ کو خوش خبری دی جارہی ہے کہ اب غموں کے دن رخصت ہونے والے ہیں، اب آپ کے صدقے آپ کی امت کا ڈنکا بجنے والا ہے، آپ کی قیادت وحکمرانی ہونے والی ہے لیکن آیت اسرا کے فوراً بعد بنی اسرائیل، ان کی سرکشی اور پھر ان کی تباہی کا ذکر کر کے یہ سبق سکھایا جارہا ہے کہ: اے امت محمدیہ! بنی اسرائیل کی طرح تم بھی نافرمانی اور سرکشی کی راہ اختیار نہ کرنا، جو امراض ان میں تھے ان سے اپنے آپ کو بچا کر رکھنا ورنہ ان کی طرح تم سے بھی قیادت وامامت چھین لی جائے گی اور تم ذلیل ہوگے۔

حاصل کلام یہ کہ معراج کا واقعہ اپنے اندر بہت سے اسباق اور تدبر کے بہت سارے پہلو لیے ہوئے ہے، امت محمدیہ کے ظاہری وباطنی عروج وزوال کی ساری کہانی کو آیت اسرا، پھر اس کے بعد بنی اسرائیلیوں کی سرکشی سے متعلق آیات کے پس منظر میں بہ آسانی سمجھا جا سکتا ہے اور اس کی روشنی میں ترقی کی تاریخ بھی پھر سے لکھی جا سکتی ہے۔ ٭٭٭

آفتاب رشک مصباحی

اسرا و معراج: قرآن و حدیث کی روشنی میں

اسرا کا لغوی معنی

لغت میں اسرا 'بہ شب رفتن' کے معنی میں بولا جاتا ہے یعنی رات میں جانا اور عربی زبان میں جب اسرا کا صلہ 'با' آتا ہے، جیسے اسری بعبدہ تو اس کا معنی ہوتا ہے رات میں لے جانا۔

اسرا کا اصطلاحی معنی

اصطلاح میں اسرا اس سفر کو کہتے ہیں جس میں اللہ تعالیٰ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو رات کے کچھ حصے میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا۔

معراج کا لغوی معنی

لغت میں معراج کا معنی ہے آلۂ عروج۔

معراج کا اصطلاحی معنی

اصطلاح میں معراج اس سفر کو کہا جاتا ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم راتوں رات مسجد اقصیٰ سے سدرۃ المنتہی گئے، پھر اللہ تعالیٰ کے قرب خاص میں پہنچے اور تجلیات الٰہی کا مشاہدہ کیا۔

لیکن محققین کے نزدیک مسجد اقصیٰ سے سدرۃ المنتہی تک کے سفر کو معراج اور اس سے آگے کے سفر کو اعراج کہتے ہیں۔

سفر معراج کا ثبوت

قرآن وحدیث سے سفر معراج پر جو روشنی پڑتی ہے اس کے اعتبار سے معراج کو تین مرحلوں میں بانٹا جاسکتا ہے:

● پہلا مرحلہ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کا سفر، اس کا ثبوت قرآن مقدس کی اس آیت مبارکہ (سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ) سے ملتا ہے۔

● دوسرا مرحلہ مسجد اقصیٰ سے سدرۃ المنتہی تک کا سفر، اس کا ثبوت قرآن کریم سے واضح طور پر ثابت نہیں لیکن احادیث آحاد سے ثابت ہے، جیسا کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ ایک رات میں حطیم میں تھا کہ حضرت جبریل آئے:

فَانْطَلَقَ بِیْ جِبْرِیْلُ حَتّٰی اَتَی السَّمَاءَ الدُّنْیَا.

ترجمہ: پس مجھے اپنے ساتھ لے کر چلے یہاں تک کہ ہم آسمان دنیا میں پہنچ گئے۔

اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مختلف انبیا و مرسلین علیہم الصلاۃ والسلام سے ملاقات کرتے ہوئے سدرۃ المنتہی پہنچے، اس کی تائید حدیث کے اس حصے سے ہوتی ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ:

ثُمَّ عَلَا بِہٖ فَوْقَ ذٰلِکَ بِمَا لَا یَعْلَمُہٗ اِلَّا اللّٰہُ حَتّٰی جَاءَ سِدْرَۃَ الْمُنْتَھٰی.

ترجمہ: پھر وہاں سے بلندی کی جانب چلے جس بلندی کا

علم صرف اللہ کو ہے، یہاں تک کہ سدرۃ المنتہی پہنچے۔

● تیسرا مرحلہ سدرۃ المنتہی سے آگے خاص قرب الٰہی تک کا سفر، اس کا بھی ثبوت قرآن کریم سے واضح طور نہیں لیکن احادیث آحاد کی حدیث اس کا ثبوت ہوتا ہے، جیسا کہ حدیث کے اس حصے سے ہوتی ہے جس میں فرمایا گیا ہے:

ثُمَّ رُفِعَتْ لِي سِدْرَةُ الْمُنْتَهٰى۔

(بخاری، باب المعراج)

ترجمہ: پھر میرے لیے سدرۃ المنتہی کا پردہ اٹھا دیا گیا۔

اس کے بعد اللہ کے قرب خاص میں پہنچے، جہاں اللہ تعالیٰ نے شایان شان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام فرمایا اور تحفے میں پچاس وقتوں کی نمازیں عطا فرمائیں جو کم ہوتے ہوتے پانچ وقتوں کی رہ گئیں اور ہر مومن کے لیے معراج قرار پائیں: اَلصَّلٰوةُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِيْن۔

(تفسیر نیساپوری، تفسیر زیر آیت: الفاتحہ)

ترجمہ: نماز مومنوں کی معراج ہے۔

واقعۂ معراج اور چند عبرتناک مناظر

معراج جوامر الٰہی اور آیات متشابہات سے ہے، اس میں الجھنے کے بجائے، اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس میں دکھائی جانے والی نشانیوں سے ہم سب کو عبرت حاصل کرنی چاہیے۔

چنانچہ ذیل میں معراج کی چند سبق آموز نشانیاں پیش کی جاتی ہیں:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

● جب میں معراج کے سفر پر گیا تو میں نے چند ایسے لوگوں کو دیکھا جن کے ہونٹ، اونٹ کے ہونٹ کی مانند لٹکے ہوئے تھے اور ان کے ہاتھوں میں بڑے بڑے پتھروں کے مثل آگ کے انگارے تھے جسے وہ اپنے منھ میں ڈالتے تھے اور وہ انگارے ان کے پیچھے کے مقام سے باہر نکلتے تھے۔

میں نے اس دردناک منظر کو دیکھا تو جبریل سے پوچھا: یہ کون لوگ ہیں؟ جنہیں اس قدر سخت عذاب دیا جا رہا ہے۔

حضرت جبریل نے بتایا کہ: هٰؤلاء أكلة اموال اليتٰمى ظلما۔ (سیرت ابن ہشام، قصۃ المعراج)

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں جو یتیموں کا مال ظلماً کھالیا کرتے تھے۔

● اسی سفر میں میں نے کچھ ایسے لوگوں کو دیکھا جن کے پیٹ اتنے بڑے تھے کہ وہ اپنی جگہ سے ہل نہیں سکتے تھے اور جب فرعونیوں کو عذاب کے لیے لے جایا جاتا تو وہ ان کے پیٹوں کو روندتے ہوئے جاتے، یہ صورت بھی نہایت تکلیف دہ تھی۔

میں نے جبریل سے پوچھا: یہ کون لوگ ہیں جنھیں ایسا دردناک عذاب دیا جا رہا ہے تو جبریل نے بتایا:

هٰؤلاء أكلة الربا۔ (سنن ابن ماجہ، تغلیظ فی الربا)

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں جو سود کھاتے ہیں۔

● ایک جگہ سے گزرے تو ایسے لوگوں کو دیکھا جن کے پاس ایک جانب تازہ اور فربہ گوشت تھا اور دوسری جانب سڑا ہوا گوشت تھا، وہ لوگ تازہ اور فربہ گوشت چھوڑ کر سڑا ہوا گوشت کھا رہے تھے، پوچھنے پر جبریل نے بتایا:

یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی بیویوں کو چھوڑ کر دوسری عورتوں

کے پاس اپنی خواہشات کی آگ بجھانے جاتے ہیں یعنی یہ لوگ غیر عورتوں سے ناجائز تعلقات رکھتے ہیں۔

(سیرت ابن ہشام، صفۃ الزنا)

● کچھ اور آگے بڑھا تو کچھ خواتین کو اس حالت میں دیکھا کہ ان کے سینوں میں بڑے بڑے کانٹے چبھے ہوئے تھے اور وہ زمین و آسمان کے درمیان لٹک رہے ہیں۔ یہ منظر اتنا ہیبت ناک تھا کہ جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔ پوچھنے پر جبریل نے بتایا کہ:

یہ وہ عورتیں ہیں جو اپنے شوہروں پر دوسروں کی اولاد داخل کر دیتی ہیں یعنی چوری چھپے غیر مردوں سے ناجائز تعلقات کے ذریعے حاملہ ہوتی ہیں اور جان بوجھ کر اس حمل سے ہونے والے بچے کو شوہر کا بچہ بتاتی ہے اور اپنے شوہر کو لاعلمی میں رکھتی ہیں۔ (سیرت ابن ہشام، قصۃ المعراج)

● میرا گزر ایک ایسی قوم پر ہوا جس کے ہونٹ اور زبان جہنم کی قینچی سے کاٹے جا رہے تھے، جبریل نے بتایا: یہ آپ کی امت کے وہ خطبا اور مقررین ہیں جو لوگوں کو ایسی باتیں بتاتے ہیں جن پر ان کا خود عمل نہیں ہوتا، نیز یہ لوگوں کو تو بھلائی کا حکم دیتے ہیں مگر اپنے آپ کو ان اعمال صالحہ سے آزاد کیے رہتے ہیں۔ (مواہبا اللدنیہ، اسراو معراج)

مذکورہ واقعات کی روشنی میں یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ سفر معراج میں جن برائیوں کی وجہ سے مرتکبین پر عذاب نازل ہوئے جب تک ان برائیوں اور بداعمالیوں سے کلی طور پر ہم اجتناب نہ کریں گے اور جن نیکیوں کے سبب جنت کے باغات ملنے والے ہیں، جب تک ہم ان کے جامع نہ ہوں گے، اس وقت تک ہماری نماز ہمارے لیے معراج نہیں ہو سکتی۔

گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سفر معراج ہمیں یہ درس دے رہا ہے کہ ہم تمام برائیوں سے دور رہ کر نیکیوں پر عمل کریں، اس کے بعد ہی ہم نماز جو مومن کی معراج ہے اس کی لذتوں سے شادکام ہو سکتے ہیں۔

☼☼☼

آپ کے میل/ ایس ایم ایس/فون کا انتظار ہے!

☆ ماہنامہ خضر راہ کے مضامین آپ کو کیسے لگتے ہیں؟

☆ ماہنامہ خضر راہ میں آپ کا پسندیدہ کالم مضمون؟

☆ ماہنامہ خضر راہ پڑھنے سے آپ کو کیا فائدہ ہوتا ہے؟

☆ ماہنامہ خضر راہ کو خوب تر بنانے کے لیے آپ کا کوئی مشورہ؟

☆ ماہنامہ خضر راہ میں کوئی ایسی چیز جو آپ کو پسند نہیں؟

E-mail: khizrerah@gmail.com

موبائل: 9312922953

حسن عمل کے بغیر زندگی بیکار ہے

اللہ تعالیٰ ارشاد فرمایا:

اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَ الْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا...۲ (ملک)

ترجمہ: وہ جس نے موت اور زندگی پیدا کی کہ تمہاری جانچ ہو، تم میں کس کا کام زیادہ اچھا ہے۔

یعنی موت وزندگی انسانوں کے لیے ایک امتحان ہے۔

امام غزالی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

اَلدُّنْیَامَزْرَعَةُ الْاٰخِرَةِ۔ (احیاء العلوم)

ترجمہ: دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔

ان دونوں ہی صورتوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہماری زندگی میں ایک ایسا دن بھی آنے والا ہے جس میں ہمارا رزلٹ آؤٹ ہوگا اور ہمیں اس کا بدلہ دیا جائے گا، پھر ہم میں سے جس نے اچھا کام کیا ہوگا اس کا رزلٹ اس کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا اور جس نے برا کام کیا ہوگا اس کا رزلٹ اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَمَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِیَمِیْنِهٖ فَاُولٰٓىِٕكَ یَقْرَءُوْنَ كِتٰبَهُمْ وَلَا یُظْلَمُوْنَ فَتِیْلًا۷۱ (بنی اسرئیل)

ترجمہ: جس کے داہنے ہاتھ میں اعمال نامہ دیا جائے گا تو وہ لوگ اس کو پڑھیں گے اور ان پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَ اَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ فَیَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِیَهْ۲۵ وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِیَهْ۲۶ (حاقہ)

ترجمہ: اور جس کے بائیں ہاتھ میں اعمال نامہ دیا جائے گا وہ حسرت سے کہیں گے، اے کاش! ہمیں نامہ اعمال نہ دیا جاتا اور ہم نہیں جانتے کہ میرا حساب کیا ہے۔

اسی دن کے بارے میں رب تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے:

اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ۱ وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ۲ وَ اِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ۳ وَ اِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ۴ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَ اَخَّرَتْ۵ یٰاَیُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِیْمِ۶ (انفطار)

ترجمہ: (اے لوگو! اس دن کو یاد کرو) جب آسمان پھٹ جائے گا، ستارے جھڑ پڑیں گے، سمندر بہہ پڑیں گے اور قبریں اکھاڑ دی جائیں گی، اس دن ہر انسان جان لے گا کہ اس نے کیا پیچھے کے لیے کیا تھا اور کیا آگے کے لیے، (پھر رب بندوں سے فرمائے گا) اے بنی آدم! کس چیز نے تجھے تیرے رب کریم سے غافل کر دیا تھا؟

ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ ارشاد فرمایا:

۱۸۵ كُلُّ نَفْسٍ ذَآىِٕقَةُ الْمَوْتِ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَ اُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ...۱۸۵ (آل عمران)

ترجمہ: ہر انسان کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے، بے شک

تمھیں قیامت میں پورا اجر دیا جائے گا تو جس نے خود کو دوزخ کی آگ سے بچالیا اور خود کو جنت میں داخل کرلیا پس وہ کامیاب ہے۔

بلاشبہ وہ ایسا دن ہوگا جس دن نہ باپ بیٹے کا اور نہ بیٹا باپ کے کام آئے گا، خود اللہ تعالیٰ اس کی وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَ اخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِيْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْــًٔا اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَ لَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ۝۳۳ (لقمان)

ترجمہ: اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو اور اس دن کا خوف کرو جس میں کوئی باپ اپنے بیٹے کے کام نہ آئے گا اور نہ کوئی بیٹا اپنے باپ کو کچھ نفع دے گا، بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے تو یہ دنیا کی زندگی ہرگز تمھیں دھوکا نہ دے اور اللہ کے تعلق سے شیطان تمھیں ہرگز دھوکہ نہ دے۔

یہ آیات مبارکہ ہمیں واضح طور پر یہ درس دے رہی ہیں کہ: اے بنی آدم! تم اپنی زندگی میں آخرت کے تصور کو ہمیشہ جمائے رکھو اور ایسا کام کرو جو تمھیں آخرت میں نفع دے اور یہی عقلمندی کی علامت ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اَلْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهٗ، وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ، وَالْعَاجِزُ مَنْ أَتْبَعَ نَفْسَهٗ هَوَاهَا، وَتَمَنّٰى عَلَى اللهِ۔

(ابن ماجہ، ذکر الموت)

ترجمہ: عقل مند انسان وہی ہے جو اپنے نفس کو برائی سے بچائے اور موت کے بعد کی تیاری کرے اور عاجز انسان وہ ہے جو اپنے نفس کو خواہشات کے تابع رکھنے کے باوجود اللہ تعالیٰ سے بڑی بڑی امیدیں رکھے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں:

ارْتَحَلَتِ الدُّنْيَا مُدْبِرَةً، وَارْتَحَلَتِ الآخِرَةُ مُقْبِلَةً، وَلِكُلٍّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا بَنُونٌ، فَكُونُوا مِنْ أَبْنَاءِ الآخِرَةِ، وَلاَ تَكُونُوا مِنْ أَبْنَاءِ الدُّنْيَا، فَإِنَّ اليَوْمَ عَمَلٌ وَلاَ حِسَابٌ، وَغَدًا حِسَابٌ وَلاَ عَمَلٌ۔ (بخاری، باب الامل)

ترجمہ: دنیا پیٹھ پھیر کر چلی جانے والی ہے اور آخرت پیش آنے والی ہے، ان میں سے ہر ایک کے بیٹے ہیں مگر تم آخرت کے بیٹے بنو اور دنیا کے بیٹے نہ بن جانا، کیوں کہ آج عمل ہے حساب نہیں، لیکن کل حساب ہوگا عمل نہیں۔

یہ ہمیں ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ: قیامت کب آئے گی اس کا علم صرف اللہ کو ہے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

إِنَّ اللهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ۔ (مسلم، باب الایمان)

ترجمہ: قیامت کب آئے گی اس کا علم اللہ ہی کو ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

جو شخص آخرت کی حقیقت کو جان لے وہ آنے والے کل کو اپنی زندگی میں شمار نہیں کرے گا۔

چنانچہ ہمیں جتنی بھی مہلت مل پا رہی ہے، اس کو غنیمت جانیں اور زیادہ سے زیادہ نیک اعمال کرنے کی کوشش کریں، تاکہ اللہ و رسول کی رضا و خوشنودی حاصل ہو:

کام وہ لے لیجیے تم کو جو راضی کرے
ٹھیک ہو نام رضا تم پہ کروڑوں درود

٭٭٭

مشمولہ تحریروں میں الفاظ کے معانی ومفاہیم

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
جاروب کشاں	جھاڑو دینے والے، خدمت گار	اجتماعی سکوت	سب کی خاموشی
ہژدہ	اٹھارہ	تراخی	تاخیر
نیشنلزم	قومیت، وطن پرستی	استثنا	عام حکم سے کسی حکم کو الگ کرنا
شرانگیزی	فتنہ پھیلانا	احتمال	شک
داخلی سطح	اندرونی سطح	اصفیا، صفی کی جمع	نیک لوگ، اللہ والے
فتنہ سامانی	فتنہ برپا کرنا	طنابیں	رسیاں
جنبش قلم	قلم کی حرکت، قلم چلانا	استعلا	بلندی
تفقہ	شعور، مسئلہ نکالنا، سمجھ	متعارض، تعارض	متضاد، تضاد
قطعی علم	یقینی علم	نص قطعی	قرآن اور حدیث متواتر
شنیع و فظیع	نہایت برا	عقلیات	سائنسی علم، عقلی دلائل، عقلی باتیں
نحیف	کمزور	قطعیات	یقینی اور حتمی باتیں
نفاق	دل میں کچھ زبان پہ کچھ	رباط	سرائے، فوجی خیمہ
زندیق	دین کی باتوں میں شک کرنے والا	دریغ	تأمل، ہچکچاہٹ
تطبیق	مختلف چیزوں میں اتفاق پیدا کرنا	رباب زیست	زندگی کا سرگم
تعزیری احکام	وہ سزائیں جو شریعت میں متعین نہ ہوں	منقطع	جدا
اعضاوجوارح	جسم کے مختلف حصے	استدلال	دلیل، دلیل پیش کرنا
توسل	وسیلہ بنانا، ذریعہ	رجال ثقات	قابل اعتماد افراد
مروی	منقول (حدیث یا کوئی بات)	مسانید، مسند کی جمع	حدیث کی وہ کتاب جس میں صحابی کی الگ
طی مکانی، طی زمانی	فاصلوں کا سمٹ جانا، زمانے کا ٹھہر جانا		الگ روایات بیان کی گئی ہوں۔

مشمولہ تحریروں میں الفاظ کے معانی ومفاہیم

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
حسن لغیرہ	وہ ضعیف حدیث جس کا ضعف کسی وجہ	اشراقیت	دوررہ کر فیض حاصل کرنا
	سے دور ہو گیا ہو	مشکاۃ نبوت	نورِ نبوت
ضد	الٹا، خلاف	یکتائے روزگار	اپنے زمانے میں بے مثال
مذہب مختار	علما کا پسندیدہ مذہب	مردِ دانا	عقل مند آدمی، سمجھ بوجھ والا
مستحسن	اچھا قابل تعریف	موانع، مانع کی جمع	روکاوٹیں
فروع در فروع	نہایت فروعی مسائل	صاحب استطاعت	طاقت رکھنے والا
مکلف	ذمہ دار، مامور	صاحب نصاب	جو شریعت کی نگاہ میں مالدار ہو
التفات	توجہ	شش و پنج	کشمکش، ہاں ناں، شک وشبہ
آلۂ ادراک	علم کا ذریعہ، جاننے کا آلہ	ستر عورت	جن اعضا کے چھپانے کا حکم شریعت میں ہے
معلوم بالسمع	جو بات سن کر معلوم ہو	مباح	جائز
معلوم بالبصر	جو بات دیکھ کر معلوم ہو	غواص	غوطہ خور، مراد محقق
معلوم بالقلب	جو بات دل میں محسوس ہو	قاب قوسین	دو کمانوں کے برابر، خاص قرب الٰہی
سماعت	کان، سننا	سدرۃ المنتہٰی	وہ مقام جس کے آگے جبریل نہیں جا سکتے
بصارت	آنکھ، دیکھنا	سفاکانہ سلوک	ظالمانہ برتاؤ
بصیرت	سمجھنا، شعور	خبر واحد	وہ حدیث جو متواتر نہ ہو
بشیر و نذیر	خوشخبری دینے والا، ڈر سنانے والا	متشابہات	وہ آیات جن کی مراد عام بندوں پر واضح نہ ہو
ترویج و تشہیر	رائج کرنا، شائع کرنا	امر الٰہی	حکم الٰہی، اللہ کی جانب سے
آیات الٰہیہ	اللہ کی نشانیاں	جزئیات	تفصیلات
علائق دنیوی	دنیاوی روکاوٹیں	مصنوعی سیارہ	انسانوں کا بنایا ہوا ستارہ
فاسد خیال	غلط خیال	اعتدال پسندی	میانہ روی، بیچ کا راستہ
رافضیت	امام کو ماننا لیکن امام کی بات نہ ماننا		

نوٹ: مذکورہ بالا الفاظ کے معانی ومفاہیم مشمولہ مضامین کے معانی ومفاہیم کے اعتبار سے دیے گئے ہیں۔

ماہنامہ خضر راہ حاصل کرنے کے پتے

الہ آبادواطراف

ابومیانزشاہی اسٹور،(نرالاسویٹ ہاؤس)نوراللہ روڈ،الہ آباد-9839457055
محمد قیس خان، ممتاز العلوم،نمئی،کوشامبی۔9936890704
محمد زبیر عالم، گریاواں،منصورآباد،الہ آباد-9795252994
مکتبہ نور، نوراللہ روڈ،الہ آباد۔9415646355
محمدیہ بک ڈپو، اسٹیشن روڈ،کھاگا،فتحپور۔9936958324
محمد امتیاز، کنڈا،پرتاپ گڑھ،یوپی-8808646082
حجاز بک ڈپو، سیف آباد،پرتاپ گڑھ،یوپی-9839112969
عمران احمد، بابوپوروا،کانپور-9839101833
مولانامنور حسین، سمنان گارڈن، لکھنؤ-9889245245
حافظ نیر اعظم، کینٹ روڈ،لال باغ لکھنؤ-9125139191
منظورالحسن نیوز پیپر ایجنٹ،شاپ نمبر6،پیپر مارکیٹ،کانپور۔8960539848
مدرسہ فیض العلوم صابریہ،گاندھی نگر،آگرہ-9286192523
حافظ محمد ظہیر، شکار پور روڈ، بلندشہر۔9058220141

ممبئی واطراف

حکیم سرفراز حسین، سنی جامع مسجد،چمڑا بازار،دھاراوی،ممبئی-9819291874
شیخ جاوید اقبال، شیلیس نگر،ممرا،مہاراشٹر-9322865066
محمد ابراہیم، شولاپور،مہاراشٹر-9421067863
ابراہیم، منگل گیری،شولاپور-9421067863
عبدالوہاب، ہاؤسنگ بورڈ،مڈگاؤں،گوا-9763900918
عادل نورانی، الامین مسجد،سلطانیہ جمخانہ،سورت-9879657766
گلشن میڈیکیئر، سکندرآباد،حیدرآباد-27716760
خادم بکڈپو، پراسیا،چندواڑہ،ایم پی-9039090386

جنوبی ہندواطراف

محمد سلمان، سلاگٹہ،چکبالم پور،کرناٹک-9880095263
مولانامشتاق، بیلگام،کرناٹک-8147449067
عزیز صدیق احمد، H.K.P.روڈ،بنگلور-9343324034
غلام ذوالنورین، حسینی مسجد،بیکانیر-9460172623
قریشی نیوزایجنسی،رجک سنیماروڈ،راورکیلا،اڑیسہ 9439499458
حافظ شبیر شاداب، دُرگ،چھتیس گڑھ-7869230382
روشن درسی کتب خانہ، موتی نالہ،جبل پور-9752705786

دہلی واطراف

خواجہ بک ڈپو، مٹیامحل،جامع مسجد،دہلی۔9910865854
مولاناعبد الودود، النور مسجد،جنک پوری،دہلی-9650203792
راجا اسٹیشنری، شاہین باغ،Ext روڈ،نئی دہلی-9891590739
مولاناشفیق، مسجد عمر فاروق،شاہین باغ،دہلی-9716559786
الجامعۃ الاسلامیہ، جیت پور II،دہلی-9650934740
شاہ صفی اکیڈمی، بٹلہ ہاؤس،دہلی-9910865854
حافظ ہارون، قلعہ والی مسجد،اٹاوہ،7417842567
گلاٹی نیوز ایجنسی، بس اسٹینڈ مہرولی،دہلی۔9250225954
حاجی حبیب اللہ، نیوسیلم پوری،نئی دہلی۔9818225177

کولکاتاواطراف

نیوز پیپر ایجنٹ،رابندراسارانی،کولکاتا-9748210140
بک اسٹال، نیئر مسلم انسٹی ٹیوٹ،کولکاتا،16۔9330643486
خانقاہ نعمتی، مٹیابرج،کولکاتا-09831746380
مدرسہ سلیمیہ، فیض العلوم،کمرہٹی،کولکاتا-9748421851
نسیم بک ڈپو، کولوٹولہ،کولکاتا-9339422992
رضابک سینٹر، روشن گلدارلین،تکیہ پارہ،ہاوڑہ-9330462827
نوری بک ڈپو، پاچھورسیا،گنجریابازار،اتردیناجپور۔09734035478
انجمن وابستگان سلاسل تصوف،گنجریا،اسلام پور۔08972468561

بہارواطراف

نوری بک سیلر، پورب چوک،بائسی،پورنیہ۔08986235393
امدادیہ بک ڈپو، جامع مسجد روڈ،ہزاری باغ-9835523993
دلکش بک ڈپو، رام گڑھ،جھارکھنڈ-9798306353
بک ایمپوریم، اردوبازار،سبزی باغ،پٹنہ-9304888739
مرادعلی، ہارون بازار،اورنگ آباد،بہار-9507840625
انصاربک ڈپو، بارہ پتھر،ڈہری اون سون-8603741579
مدرسہ عارفیہ سعیدالعلوم،نہوٹا،شیرگھاٹی،گیا-9939479919
رضابک سیلر، کمپنی باغ،مظفرپور،بہار-9431475679
دارالعلوم تاج الشریعہ،مصری گنج،مدھوبنی-9931431786
مکتبہ واجدیہ، قلعہ گھاٹ چوک،دربھنگہ،بہار۔9304514097
عامرنانگبوری، ہاویل روڈ،لابان،شیلانگ،میگھالیہ-8794042067

نوٹ: ایجنسی حاصل کرنے کے خواہش مند حضرات رابطہ کریں:9312922953